Regd. No. 7243

Phone 880800

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

اپریل 1985

اس پرچہ میں

داغوں کی بہار

مفکر قرآن علامہ پرویز رحمہ کی وفات حسرت آیات پر طول و عرض پاکستان و بیرون ملک سے موصولہ تعزیت نامے۔

سعید

شائع کردہ ادارۂ طلوعِ اسلام - ۲۵ بی - گلبرگ - لاہور

قیمت فی پرچہ 4 روپے

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ ——— لاہور

قیمت فی پرچہ	ٹیلیفون :- ۸۸۰۸۰۰	بدل اشتراک
۴	خط و کتابت	سالانہ
چار روپے	ناظم ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵-بی گلبرگ ۲ لاہور	پاکستان /۴۸ روپے غیر ممالک /۹۸ روپے
شمارہ ۴	اپریل ۱۹۸۵ء	جلد ۳۸

فہرست

۱- لمعات ۲

۲- جُہدِ مسلسل ۸

۳- داغوں کی بہار ۹

۴- صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کا تعزیت نامہ ۲۲

۵- تعزیت نامہ از حکیم سعید احمد پھلوریؒ ۲۳

۶- پیمانِ وفا (میاں ظفر احسن محمود صاحب) ۲۵

۷- متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی ۲۸

۸- سمعنا منادی ینادی للایمان - - - .. ۳۱

۹- مفکرِ قرآن میرِ کارواں چل بسا! ۳۳

۱۰- مردِ راہ داں بابا جی کے بچھڑنے پر ۳۷

۱۱- منظوم بیادِ غلام احمد پرویزؒ ۳۹

۱۲- نذرانۂ عقیدت بحضور علامہ غلام احمد پرویزؒ ۴۰

۱۳- یہ آئینہ ہے! ۴۱

۱۴- مجلسِ قلندرانِ اقبالؒ ۵۷

ایڈیٹر محمد خلیل، ناشر شیخ عبدالحمید، مقامِ اشاعت: ۲۵-بی گلبرگ ۲ لاہور۔ مطبوعہ: اشرف پرنٹنگ پریس ۹- ایبک روڈ لاہور

لمعات

شمارہ مارچ ۱۹۸۵ء کے ٹائٹل کے اندر چسپاں کردہ اعلان کے ذریعے قارئینِ طلوعِ اسلام کو مفکرِ قرآن چوہدری غلام احمد پرویز (علیہ الرحمہ) کی اندوہناک وفات کی اطلاع پہنچا دی گئی تھی۔ یہ حادثہ اتنا سنگین ہے کہ بظاہر اس سے پیدا شدہ خلا کو پُر کرنا دشوار ہوگا۔ لیکن تمثیلاً یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ طلوعِ اسلام کے ابتدائی دور کا پہلا شمارہ مئی ۱۹۳۸ء بھی آج سے ۴۷ سال پیشتر دہلی سے ادارہ خود اسنے ایسے ہی روح فرسا حالات میں شائع کیا تھا۔ ۲۰ اپریل ۱۹۳۸ء کو حکیم الامت علامہ اقبال (علیہ الرحمہ) کی وفات کے باعث مذکورہ پرچہ ابھی تقسیم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ حضرت علامہ کا سایہ اس کے سر سے اُٹھ گیا۔ لیکن ادارہ نے اپنے پروگرام کے مطابق حسبِ ذیل "پیشکش" کو شمارۂ مذکور میں ثبت کر دیا اور اس کے بعد مجلہ طلوعِ اسلام قیامِ پاکستان سے پہلے اور اس کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ آج تک بیادگار حضرت علامہ اقبالؒ شائع ہوتا رہا ہے:۔

> ہم کمالِ عقیدت و نیازمندی کے ساتھ رسالہ طلوعِ اسلام کو ترجمانِ حقیقت حکیم الامت حضرت علامہ اقبال کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کرتے ہوئے آرزو رکھتے ہیں کہ جس طرح نئی روشنی کی پیدا کردہ تاریکی میں ان کا جلوہ فکر آفتابِ اسلام کے نئے طلوع کا موجب ہوا ہے اسی طرح یہ رسالہ ان کے پرتوِ افکار سے حقیقی معنوں میں اسم بامسمّٰی ثابت ہو۔
>
> "طلوعِ اسلام" نہایت ادب سے ان کے حضور میں متقاضی ہے کہ
>
> مدار جلوہ دریغ از دلم کہ خرمنِ حسن - بہ خوشہ چینیٔ آئینہ کم نمی گردد

"طلوعِ اسلام" کے شمارہ مذکور کے پیش لفظ میں (ہمارے حسبِ حال) ادارہ کی طرف سے یہ امید افزا الفاظ بھی شامل تھے کہ حضرت علامہؒ نے ہی ہمیں یہ بھی سکھایا تھا کہ،

اگر خواہی حیات اندر خطر زی

اس لیے (ہمارے حسبِ حال) حالیہ حادثہ محشر انگیز میں ہم (انشاء اللہ) حوصلہ نہیں ہاریں گے۔ بلکہ اس سے ہمارے ارادوں میں استحکام اور ہمت میں تقویت پیدا ہوگی کہ "مفکرِ قرآنؒ" سے ہمیں ان کی عمر بھر کی کوہ کنی کے طفیل اتنا متاعِ گراں بہا (سرمایہ) ورثہ میں ملا ہے جو (انشاء اللہ) ہمارے راستے میں آنے والی مشکلات کو آسان کر دینے کے لیے کافی ہوگا۔ طلوعِ اسلام کی شمع نورانی بدستور خضرِ راہ اور اس کی تابندگی و درخشندگی سے باطل کی ہر تاریکی کو مٹانا اس کا مقصدِ حیات ہوگا۔ واللہ المستعان

دانائے راز

علامہ اقبالؒ نے دمِ واپسیں فرمایا تھا:۔

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید؟ — نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے — دگر دانائے راز آید کہ ناید؟

یہ اللہ تعالیٰ کی ہم پر خاص کرم گستری تھی کہ اس نے علامہ اقبالؒ کے فوراً بعد ہمیں ایک اور نابغۂ زمانہ ——— علامہ غلام احمد پرویزؒ سے نوازا۔

علامہ غلام احمد پرویز (رحمۃ اللہ علیہ) کی ولادت باسعادت مورخہ ۹ جولائی ۱۹۰۳ء کو (موجودہ مشرقی پنجاب کے) ضلع گورداسپور کے قصبہ بٹالہ میں ہوئی۔ آپ کے دادا - مولوی، چوہدری، رحیم بخشؒ حنفی مسلک کے ایک جید عالم اور سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے ایک ممتاز بزرگ ہونے کے علاوہ ایک ماہر طبیب اور سنسکرت کے عالم تھے۔ علامہ غلام احمد پرویزؒ کی ابتدائی تربیت اپنے دادا کی زیرِ نگرانی ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ میٹرک تک پہنچتے پہنچتے ان کی نگاہ کی مشرقی مغربی افقین کافی وسیع اور "باطنی علوم" کی گہرائیاں کافی عمیق ہو چکی تھیں۔

بی اے پاس کرنے کے بعد سول سروس میں چلے گئے اور ۱۹۵۵ء میں جب کہ آپ وزارتِ داخلہ میں اسسٹنٹ سیکریٹری کے عہدہ پر فائز تھے۔ قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی تاکہ اپنے قرآنی مشن کو پورا وقت دے سکیں۔

اس دوران میں آپ کی زندگی علمی معرکہ آرائیوں سے عبارت رہی۔ ۱۹۳۲ء میں ابوالکلام آزاد کے تفسیری ترجمہ ترجمان القرآن کی پہلی جلد شائع ہوئی۔ انہوں نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کے سلسلے میں اپنے اس نظریہ کی تبلیغ بڑی صراحت سے کی تھی کہ عالمگیر سچائیاں دنیا کے ہر مذہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔ اس لیے تمام مذاہب سچے ہیں۔ لیکن پیروانِ مذہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سرِ نو اختیار کر لیں تو میرا کام پورا ہو گیا۔ یہ فراموش کردہ سچائی کیا ہے؛ ایک خدا کی پرستش اور نیک عمل کی زندگی۔ یہ کسی ایک گروہ کی میراث نہیں کہ اس کے سوا کسی انسان کو نہ ملی ہو۔ یہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے۔

علامہ پرویزؒ کی بصیرتِ قرآنی کے مطابق یہ نظریہ، اسلام کو اس کی جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔ یہ برہمو سماج کی تعلیم تو ہو سکتی ہے قرآن کی نہیں۔ اس لیے آپ نے اس کی تردید میں ایک تفصیلی مقالہ لکھا جو ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) کی جنوری ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔

اس زمانے میں ابوالکلام آزاد کی شہرت ثریا پہنچی ہوئی تھی۔ وہ قلم اور زبان کے بادشاہ اور علم کے سند سمجھے جاتے تھے۔ علماء کی صف میں وہ امام الہند قرار دیئے جاتے تھے۔ ان کی پیش کردہ تفسیر کی مخالفت اور وہ بھی ایک "غیر مولوی" کی طرف سے کسی کے حیطۂ تصور میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔ لیکن یہ علامہ پرویزؒ کی جرأتِ ایمانی تھی کہ آپ نے سب سے پہلے اس تفسیر پر اپنی تنقید شائع کی۔

۱۹۲۶ء میں ریاست بہاولپور کی ایک عدالت میں ایک مسلمان خاتون نے دعویٰ دائر کیا کہ اس کا خاوند قادیانی مسلک اختیار کرنے سے مرتد ہو گیا ہے۔ لہٰذا اس شخص سے مدعیہ کا نکاح فسخ قرار دیا جائے۔ یہ مقدمہ قریب نو سال تک زیرِ سماعت رہا اور آخر الامر محمد اکبر صاحب (مرحوم)

ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر نے ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو اس کا فیصلہ سنا دیا۔ یہ فیصلہ علامہ پرویزؒ کے ایک مضمون "میکانکی اسلام" میں ضمناً بیان کردہ نبی کی تعریف کی بنیاد پر سنایا گیا تھا۔ جس کا ذکر فاضل جج نے اپنے فیصلہ میں بالوضاحت کیا تھا۔ اس طرح قادیانیوں کو پہلی بار کافر قرار دینے کی علمی بنیاد علامہ پرویزؒ کی فراہم کردہ تھی۔ بعد میں آپ نے اس موضوع پر ایک کتاب "ختم نبوت اور تحریکِ احمدیت" ۱۹۷۳ء میں شائع کی۔

علامہ اقبالؒ کے خاکہ کے مطابق جناب پرویزؒ نے سلسلہ "معارف القرآن" کی ابتدا ۱۹۴۲ء میں کی۔ پہلی جلد کا عنوان تھا۔ "اللہ" جو بعد میں "من و یزداں" کے نام سے شائع ہوئی۔ پھر "ابلیس و آدم" تحریر کی۔ جس میں آدم۔ ابلیس۔ ملائکہ۔ جن۔ شیطان۔ وحی۔ رسالت وغیرہ عنوانات پر قرآنی تصریحات پیش کی گئیں۔ معارف القرآن کی تیسری جلد "جوئے نور"۔ چوتھی جلد "برقِ طور" اور پانچویں جلد "شعلۂ مستور" حضرت نوحؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک انبیاء کرامؑ کے حالاتِ زندگی کو محیط ہیں۔ پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ۔ بعنوان "معراجِ انسانیت" شائع کی۔ وحی کی ضرورت اور اہمیت اجاگر کرنے کے لیے ڈھائی ہزار سال کی فکری کاوشوں کا نچوڑ۔ "انسان نے کیا سوچا" کے عنوان سے ایک کتاب میں پیش کیا۔ جس کو پڑھنے سے یہ حقیقت اُبھر اور نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ عقلِ انسانی۔ انسانی مسائل کو حل کرنے میں کس طرح ناکام رہی ہے اور پھر یہ بتانے کے لیے کہ وحی کی رُو سے انسانی مسائل کا حل کیا ہے۔ آپ نے ایک کتاب بعنوان۔ "اسلام کیا ہے؟" شائع کی۔ معاشی مسئلہ ہمارے دور کا اہم ترین مسئلہ شمار ہوتا ہے۔ معاشی نظریات کی بنیاد پر دنیا دو بڑے بلاکوں میں منقسم ہے۔ اس مسئلہ کے قرآنی حل کو پیش کرنے کے لیے آپ نے متعدد تقاریر کیں اور مضامین شائع کیے جن میں سے کچھ "خدا اور سرمایہ دار" نامی کتاب کی شکل میں شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ ایک مبسوط تصنیف "نظامِ ربوبیت" شائع کی۔

تقدیر کا مسئلہ صدیوں سے اُلجھا چلا آرہا ہے۔ اس مسئلہ کو قرآن کی روشنی میں حل کرنے کے لیے آپؒ نے کتاب "التقدیر" تحریر کی۔ آخرت کے متعلق قرآنی توضیحات کو ایک کتاب بعنوان "جہانِ فردا" میں شائع کیا اور اس طرح قریب چالیس سال کی محنتِ شاقہ سے سلسلہ معارف القرآن کو تکمیل تک پہنچایا۔

علامہ احمد امین مصری (مرحوم) نے اپنی کتاب "فجر الاسلام" میں بڑی تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ دیگر قوموں کے تصورات کس طرح رفتہ رفتہ مسلمانوں پر اثر انداز ہوتے گئے اور یوں قرآن کے تصورات کی جگہ غیر قوموں کے تصورات نے لے لی۔ چنانچہ آج جسے مذہبِ اسلام کہا جاتا ہے۔ یہ مجموعہ ہے مختلف قوموں سے مستعار تصورات کا جن پر بعض قرآنی اصطلاحات کا لیبل لگا دیا گیا ہے۔ ان تصورات سے اور تو اور عربی زبان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ چنانچہ ضرورت

اس امر کی تھی کہ قرآن حکیم کے الفاظ کا کوئی ایسا لغت مرتب کیا جائے جس میں نہ صرف الفاظ کے وہ معنی دیے جائیں جو بزمانہ نزولِ قرآن میں رائج تھے۔ بلکہ اُن الفاظ کے پس منظر میں قرآنی تصورات کی بھی وضاحت کی جائے ــــــــ یہ کام ایک آدمی کے کرنے کا نہ تھا، لیکن اگر انسانوں کی ایسی جماعت موجود نہ ہو تو؟ جناب پرویز ہمت ہارنے والے نہ تھے چنانچہ آپ نے چار جلدوں میں ایک ایسا لغت تیار کر دیا جس کی تیاری میں اپنے قرآنی بصیرت کے علاوہ قریب پچاس عربی لغت حوالے کے لیے استعمال کیے۔

اس ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ جناب پرویزؒ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:۔

"اس لغت کے شائع ہونے کے بعد ایک دن ایک عراقی عالم مجھ سے ملنے کے لیے آئے۔ حکومتِ پاکستان کے رابطۂ عوامی کے ایک آفیسر بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اُس نے کہا کہ عراقی علماء کی ایک "تنظیم قرآنِ مجید کا لغت مرتب کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس کے لیے انہوں نے چاہا ہے کہ جہاں جہاں قرآن کا لغت مدون کرنے کا کام ہوا، یا ہو رہا ہو، ان حضرات سے مل کر اس سلسلہ میں ضروری معلومات حاصل کی جائیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس سلسلہ میں مجھ سے ملنے آئے ہیں۔ اور یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ "تنظیم کون سی ہے جس کے زیرِ انتظام تمہارے لغت کی تدوین کا کام شروع کیا گیا۔ وہ جماعت کن علماء پر مشتمل تھی، جس نے اس لغت کو مرتب کیا۔ اس کی تکمیل میں کتنا عرصہ لگا۔ اس پر کس قدر خرچ اٹھا۔ اس کی اشاعت کا انتظام کس نے کیا، وغیرہ وغیرہ۔ میں نے ان سے کہا کہ اس کے لیے نہ کوئی تنظیم تھی، نہ جماعت۔ نہ کوئی مالی ذریعے تھے نہ مادی اسباب۔ یہ سب کچھ میں نے تنہا کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ تمام کتابیں بھی تصنیف اور شائع کی ہیں جو آپ کو ان الماریوں میں نظر آ رہی ہیں۔ وہ صاحب خندۂ زیر لبی سے یہ سب کچھ سنتے رہے۔ میں کسی کام کے لیے گھر کے اندر گیا۔ باہر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایکا ایکی اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت طنزیہ انداز سے علیک سلیک کرتے ہوئے واپس جا رہے ہیں۔ ان کا یہ انداز اور اقدام ایسا ناقابلِ فہم تھا کہ ان سے اس کی وجہ دریافت کرنے کو جی ہی نہ چاہا۔ کچھ دنوں بعد، رابطۂ عوامی کے اُس افسر سے جو ان کے ساتھ آئے تھے سرِ راہ میری ملاقات ہوئی، تو میں نے ان سے پوچھا کہ اس دن کیا بات ہوئی تھی؟ انہوں نے کہا کہ آپ اندر گئے ہیں تو اُن صاحب نے کہا یہ شخص بالکل غلط بیانی سے کام لے رہا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص تنہا اتنا کام کرلے، سو جب یہ اصلی بات بتاتا نہیں چاہتا تو اس سے کچھ پوچھنا بیکار ہے۔ میں یہ سن کر مسکرایا اور ان سے کہا کہ خیر گذری میں نے انہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ اس دوران میں میں نے تیس سال سرکاری ملازمت بھی کی ہے ورنہ اس نے اسے تیا دیا تھا) (طلوع اسلام دسمبر ۱۹۷۱ء صفحہ ۴۹)

سلسلۂ معارف القرآن اور لغات القرآن کے علاوہ جناب پرویزؒ نے "مفہوم القرآن" تین جلدوں میں مرتب کیا۔ تقریباً ڈھائی ہزار عنوانات کے تحت قرآنی مضامین کو مرتب کر کے "تبویب القرآن" شائع کی اور "مطالب الفرقان" کے نام سے تفسیر مرتب کر رہے تھے جس کی پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ چھٹی جلد طباعت کے لیے تیار ہے۔

سلیم کے نام خطوط (تین جلدوں میں) اور "طاہرہ کے نام خطوط" قرآنی تعلیمات پر مشتمل ادب پارے ہیں۔ کم تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے اسلامی معاشرت اور پھر قرآن کے بیان کردہ قوانین۔ بعنوان "قرآنی قوانین" اور انگریزی زبان میں کتاب

(ISLAM A CHALLENGE TO RELIGION) اس پر مستزاد ہیں۔ غرض کس کس کاوش کا ذکر کیا جائے۔

ان علمی کارناموں کو سرانجام دینے کے علاوہ آپ نے تحریک پاکستان میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ قائداعظمؒ کے ارشاد کے مطابق دہلی سے ماہنامہ طلوعِ اسلام جاری کیا جو اپنے پہلے دور میں اپریل ۱۹۳۸ء سے مئی ۱۹۴۷ء تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا اور اسی کے ذریعے آپ نے تحریک پاکستان کے مخالف نیشنلسٹ علماء کے مقابلے میں قلمی جہاد کیا۔ اس دور میں یہ واحد جریدہ تھا جس نے تحریک پاکستان کے دینی پہلو کو اجاگر کیا اور بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تحریک پاکستان کی صحیح اور مکمل تاریخ طلوع اسلام کے اس دور کے فائل کے بغیر مرتب نہیں کی جا سکتی۔

قائداعظمؒ پروٹوکول کے بڑی سختی سے پابند تھے۔ انہیں کوئی شخص پیشگی وقت لیے بغیر نہیں مل سکتا تھا لیکن یہ شرف جناب پرویزؒ کو حاصل تھا۔ کہ آپؒ کسی بھی وقت قائداعظمؒ سے ملاقات کر سکتے تھے۔ باوجود اتنے قریب ہونے کے جناب پرویزؒ نے کبھی اس بات کو فخریہ بیان نہیں کیا اور نہ ہی پاکستان بن جانے پر کوئی مراعات حاصل کیں۔

پاکستان بن جانے کے بعد جنوری ۱۹۴۸ء میں آپؒ نے دوبارہ طلوعِ اسلام شائع کرنا شروع کیا۔ جو باقاعدگی سے تاحال جاری ہے۔ پاکستان بن جانے کے بعد پاکستان کے دشمن عناصر بھی یہاں ہجوم کر کے آ گئے اور یہاں آ کر پر پُرزے نکالنے لگے۔ اب ان کے پیشِ نظر مقصد یہ تھا کہ اُن کی مخالفت کے علی الرغم اگر پاکستان بن ہی گیا ہے۔ تو اس میں وہ نظام نہ رائج ہونے دیا جائے جس کے لئے اسے حاصل کیا گیا تھا۔ وہ اسلام کی آڑ میں یہاں تھیاکریسی رائج کرنے کی کوششیں کرنے لگے۔ اب دوبارہ جناب پرویزؒ کو ان کے خلاف قلمی جہاد کرنا پڑا۔ قراردادِ مقاصد اور علماء کے بائیس نکات اِسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں جن پر جناب پرویزؒ نے تفصیلی تنقید کی۔ آپؒ نے تفصیلاً بتایا کہ جسے علماء سنت کہتے ہیں وہ نہ تو متفق علیہ ہے کہ اس کی رُو سے کوئی متفق علیہ قانون مرتب کیا جا سکے۔ علماء کا سنت پر اس قدر زور دینا محض اس لیے ہے کہ یہاں قرآنی نظام رائج نہ کیا جا سکے۔

مخالفین سے آپؒ کے پرزور دلائل کا جواب تو بن نہ پڑا ۔ انہوں نے آپؒ کے خلاف فتوائے کفر دے دیا جس پر ایک ہزار علماء کے دستخط ثبت تھے

ضخیم تصانیف کی لمبی فہرست ۔ ماہنامہ طلوع اسلام کے ہزارہا صفحات ۔ ہفتہ وار درس اور تقاریر کے ٹیپس (TAPES) کا ڈھیر ۔ تحریکِ پاکستان میں باوجود سرکاری ملازم ہونے کے سرگرم شمولیت قائداعظمؒ سے قرب حاصل ہونے کے باوجود مراعات حاصل کرنے سے انکار ۔ اپنے خلاف کفر کے فتووں سے بے پرواہ ہو کر اپنے مشن میں مگن ۔ اپنی ہزار سالہ تاریخ کھنگال ڈالی ۔ ہے کوئی ایک بھی ایسا شخص جس نے تنِ تنہا اتنا زیادہ اور اتنا ٹھوس کام کیا ہو ؟

۱۵ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو آپ نے آخری بار درسِ قرآن دیا اور اس کے بعد مسلسل بسترِ علالت پر رہے ۔ اور ۲۴ فروری ۱۹۸۵ء کو شام چھ بجے آپؒ اس دارِ فانی سے انتقال فرما گئے ۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (۵۵/۲۶-۲۷)

اللہ تعالیٰ جناب علامہ پرویزؒ کو اپنے سحابِ کرم سے نوازے (آمین)

کون جانے اس پائے کی شخصیت پھر کب پیدا ہوتی ہے ۔

کیونکہ ؎

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

بہرحال ہم تو اپنے زمانے کے "دانائے راز" سے محروم ہو گئے ہیں ۔

دگر دانائے راز آید کہ ناید ؟

لاہور کے سامعینِ درس متوجہ ہوں

درسِ قرآن بذریعہ وی سی آر (V.C.R) ہر جمعہ کی صبح ۸½ بجے 25/B گلبرگ (لاہور) میں ہوتا ہے ۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام

جہدِ مسلسل

قارئین کی اطلاع کے لئے عرض ہے ،

کہ محترم پرویز صاحب کی وفات کے بعد بفضلِ ایزدی :-

(۱) ادارہ طلوعِ اسلام کا وجود اسی طرح قائم رہے گا ۔

(۲) بزمہائے طلوعِ اسلام دائم و قائم رہیں گی ۔

(۳) رسالہ طلوعِ اسلام جاری رہے گا ۔

(۴) محترم پرویز صاحب کی تصانیف ادارہ طلوعِ اسلام اور مکتبہ دین و دانش سے دستیاب رہیں گی

(۵) دیگر مقامات کے علاوہ پرویز صاحب کی رہائش گاہ ۲۵- بی گلبرگ II میں درسِ قرآن کا سلسلہ بذریعہ وی سی آر (VCR) جاری رہے گا ۔

(۶) پرویز صاحب کے مقالات اور درس ہائے قرآن کے آڈیو و ویڈیو ٹیپس ادارہ طلوعِ اسلام سے دستیاب رہیں گے ۔

(۷) ادارہ طلوعِ اسلام اپنی قرآنی بصیرت کے مطابق آپکے جملہ استفسارات کا جواب دیتا رہے گا ۔

احباب سے گذارش ہے کہ وہ نشر و اشاعتِ قرآن سے متعلق اپنے مفید مشوروں سے ادارہ کو نوازتے رہیں نیز جن احباب کے پاس محترم پرویز صاحب کے تحریر کردہ خطوط ہوں وہ ان خطوط کی فوٹو کاپیاں ادارہ طلوعِ اسلام کو مرحمت فرما کر مشکور فرمائیں ۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام
۲۵- بی گلبرگ ۲ لاہور

داغوں کی بہار

مرزا غالب نے کہا تھا:

دل نہیں تجھ کو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار
اس چراغاں کا کروں کیا، کارفرما جل گیا

کچھ ایسا ہی معاملہ محترم پرویز صاحب کی رحلت کے بعد، ہمیں پیش آیا۔ ان کے چاہنے والوں کے دل جس طرح داغہائے مفارقت سے زخمی ہیں، انہیں کوئی تختیلہ دکھانے والا ہو تو فراق کی اس تیرہ شبی میں دہکتے چراغاں کا سماں بندھ جائے۔ مرحوم کی وفات پر ان کے احباب نے جس انداز سے تعزیت کی ہے۔ ہم داغوں کی اس بہار کا ایک عکس قرطاس پر منتقل کر رہے ہیں۔

اس سلسلے میں بے شمار تعزیت نامے موصول ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ ان سب کی اشاعت نہ تو ممکن ہے اور نہ گنجائش۔

بہرکیف ہم ان تمام احباب کے شکر گزار ہیں جنہوں نے اہلِ خانہ، پرویز یا ہم سے اظہارِ افسوس کیا ہے۔ فرداً فرداً جواب کی بجائے، ہماری معذرت کے ساتھ، انہی سطور کو کافی سمجھا جائے۔ (ادارہ)

بلوچستان

چشم خود بربند وچشم ما کشاد

بزمِ طلوعِ اسلام کوئٹہ مفکرِ قرآن جناب غلام احمد پرویز کی وفات پر جملہ پروانہ ہائے شمعِ قرآنی، مادرِ مکرم، برادرِ محترم عارف بٹالوی اور ان کے بچوں سے دلی پاس شیدہ چکیدہ، اظہارِ تعزیت کے لئے حاضر ہے۔ ہم میں سے ہر ایک نے چاہا کہ اپنی نقد عمر ان کی زندگی میں شمار ہو جائے۔ لیکن مشیتِ ایزدی اصولوں پر قائم ہے اور یہ اصول وہ قیامتا ہیں جو ہم پر گزر گئی۔ کون دل ہے جس سے آہِ درد نہ اٹھی اور کونسی آنکھ ہے جس سے دریائے اشک نہ بہا۔ لیکن ایسی مرگِ باشرف کسے ملتی ہے کہ جب وہ دنیا سے اپنا رختِ سفر باندھے تو اس اطمینان سے جائے کہ اس کے ذمہ جو فرض تھا اس نے پورا کر دیا۔

آج دشمن اور دوست اس کے انداز میں سوچتے ہیں۔ اس کی اصطلاحوں اور اس کی زبان میں بات کرتے ہیں۔ ان کا زاویہ نگاہ بدل چکا ہے۔ جہاں بندہ مزدور کے اوقات کی سختی کا ذکر تک نہ تھا، وہاں نظامِ ربوبیت کی بات ہو رہی ہے۔ قرآن جیسے محض جزدانوں میں بند

رکھا جاتا تھا کھول لیا گیا ہے۔ جہاں سوچ پر پہرے تھے وہاں فکر تازہ حریت سے آشنا ہو رہی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا انقلاب ہوگا کہ قوم میں احساس زیاں پیدا ہو رہا ہے اور وہ اپنا رخ قرآن کی سمت سیدھا کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

مفکر قرآن کسی رفیق کی وفات پر کہا کرتے تھے "ایک شمع اور بجھ گئی" لیکن ان کی اپنی وفات سے قطع نظر اس سے کہ وہ ہم میں نہیں رہے، کوئی شمع نہیں بجھی۔ وہ شمع جس کو پرویز نے اپنے خون جگر سے روشن کیا، کیسے بجھ سکتی ہے۔ اب تو اس دیئے سے دیا جلتا رہے گا۔ جو چراغ راہ پرویز نے روشن کیے ہیں، ان سے جادۂ قرآنی ابدالآباد تک جگمگاتا رہے گا پرویز تو بے شک سفر کے سینے میں جو جوت جگا دی ہے اس سے نت نئے چراغ روشن ہوتے رہیں گے۔ آنے والوں کو زندگی کے پُربہار راستوں کی طرف راہنمائی ملتی رہے گی کہ قرآنِ حکیم کے چشمۂ آب حیات کے راستے اب نگاہوں سے اوجھل نہیں رہے۔ اور یوں پرویز مر کر بھی زندہ رہے گا، سدا زندہ۔

(قدیر احمد خاں دیرم کوئٹہ)

مرحوم قائد اعظم کے قریبی رفقا میں سے تھے اور غالباً وہی ایک ایسی شخصیت تھے جنہیں قائد اعظم سے وقت لیے بغیر ملنے کی عام اجازت تھی۔ فنونِ لطیفہ کی دنیا میں ادب موسیقی اور شعر پر عمیق نگاہ رکھتے تھے۔

(صابرہ۔ عبدالغفور محسن۔ زرغی روڈ۔ کوئٹہ)

باباجی آپ کو مرحوم لکھتے ہوئے میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں اور آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں ...... جس شخصیت نے قرآنی نسخہ سے ہزاروں مردہ روحوں کا علاج کر کے انہیں زندہ کر دیا ہو وہ خود کیسے مر سکتا ہے؟ ...... آپ کے حصہ میں حیات جاوید آئی ہے۔

(سعید گوادری۔ مکران۔ بلوچستان)

جناب محترم غلام احمد پرویز کی وفات میرے اور میرے اہل خانہ کے لیے انتہائی صدمہ ہے خدائے بزرگ و برتر مرحوم کی روح کو جنت الفردوس میں راحت و آسودگی عطا فرمائے۔

(محمود احمد مخمور۔ خضدار۔ بلوچستان)

اللہ پاک ان کو اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے۔

طوبیٰ لھم وحسن مآب

(آفتاب احمد میر۔ بلوچستان)

سرخط مفکر و مبلغ قرآن حکیم کے اس دار فانی سے رحلت فرمانے کی جبرلٹر وی ریڈیو اخبارات کے ذریعے سن کر ہمارے ضلع سوات کے رفقاء پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ خدا ان کو ...... آخروی زندگی کے نعماء حقیقی اور مراتب علیا

سے سرفراز فرمائے اور ان کے سب لواحقین و تابعین کو توفیق صبر جمیل مرحمت فرمائے

(حکیم دولت مند۔ فتح پور سوات)

علامہ مرحوم کی فکری اور علمی حیثیت کو زبردست خراجِ تحسین پیش کی گئی اور اس عہد کا اظہار کیا گیا کہ جو شمع جناب علامہ صاحب نے روشن کی ہے۔ اس کی روشنی کو ماند نہیں پڑنے دیا جائے گا۔

آخر میں بحضور رب العالمین سے دعا کی گئی کہ جناب علامہ صاحب کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور پس ماندگان کو اور تمام اراکین بزم ہائے طلوعِ اسلام کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(نمائندہ اراکین بزم طلوعِ اسلام۔ مردان)

مرحوم نے ایک صحیح قرآنی معاشرہ کے قیام کے لیے جو قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ان کو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ شمعِ قرآنی کے پروانوں کو صبر اور استقامت عطا فرمائے اور مرحوم نے قرآنی فکر کی جو شمع روشن کی ہے۔ اس کو تا ابد روشن رکھنے کے لیے ثابت قدمی عطا فرمائے۔

(آذار بخت۔ بیرونزئی۔ کوہاٹ)

مرحوم باباجی صاحب ایک عظیم انسان تھے۔ قرآن کریم کا ایک بلند پایہ عالم ہونے کے باوجود فرمایا کرتے تھے کہ "میں قرآن شریف کا ایک ادنیٰ سا طالبعلم ہوں" خاص کر ہم نوجوان نسل پر مرحوم باباجی صاحب کا بہت بڑا احسان ہے کہ انھوں نے ہمیں سیدھا راستہ دکھایا ورنہ ہم تو بھٹک جاتے ہم طلوعِ اسلام کی اس فکری تحریک میں شامل ہیں اور شامل رہیں گے۔

کیونکہ باباجی کی پیش کردہ قرآنی حقائق کے ذریعے حق اور باطل کا فرق واضح ہو گیا ہے ہم پر۔

(اشفاق رضا رستم۔ مردان صوبہ سرحد)

ہمیں باباجی کی وفات پر شدید صدمہ پہنچا ہے۔ ہم خود بکھرے گئے ہیں۔ دوسروں کو کیا تسلی دے سکتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ہم تمام طلوعِ اسلام کے احباب اور باباجی کے ساتھیوں کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

(عبدالرحمان، اویس رضا، فیض الرحمان

خیبر میڈیکل کالج پشاور۔ سعید اقبال لاکالج پشاور)

دنیا فانی ہے۔ لیکن علامہ پرویز جیسی ہستی کا اس دنیا سے کوچ کر جانا ایک المیہ سے کم نہیں۔ دنیا ایک عظیم مفکر اور اسلام کے جلیل القدر مجاہد سے محروم ہو گئی۔

(پائندہ خاں پشاور)

علامہ پرویز صاحب کے جملہ لواحقین و اہل خانہ ان کی بے وقت موت پہ خون کے آنسو بہا رہے ہیں اس غم میں چند آنسو ہمارے بھی شامل کر لیں

۱۹۵۰ء سے لے کر جو مطالعہ میں نے کیا ہے۔ اس سے میں اس نتیجہ پہ پہنچا ہوں کہ دنیا ایک عظیم مفکر سے محروم ہو گئی۔ خدا جانے یہ خلا کب پُر ہو گا۔

(میر عالم خان۔ دروازگئی)

علامہ صاحب کے سبھی خواہاں، قرآنی احباب اور قرآنی فکر کے شیدائیوں کے لیے ایک غیر معمولی صدمہ ہے۔ لیکن ان کی فکر تازہ، ان کی شخصیت ہمیشہ ہمیشہ زندہ جاوید اور سدا بہار رہے گی۔

عطاء الرحمٰن درّانی
(صوبہ سرحد)

علامہ صاحب کی وفات سے عالم اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(ملک امیر محمد عیدگاہ روڈ۔ مردان)

جناب پرویز صاحب درحقیقت ایک فرد نہیں ادارہ تھے۔ انہوں نے جن مشکلات میں فکرِ نو کی تازگی کے ساتھ اسلام کا پیغام ہم تک پہنچایا وہ انہی کا کارنامہ اور ہمت تھے۔

(یوسف انور۔ پشاور)

علامہ پرویز کی وفات پر ہم بے حد غمگین ہیں۔ اللہ ان کو اپنی رحمت سے نوازے۔ (بہ قید)

(غلام محمد۔ وزیر خان۔ مردان)

—— ملتے جلتے مفہوم کے ساتھ۔ (احمد فاروق نوشہرہ) (محمد جلال۔ کوہاٹ)

اخبار کے ذریعے جناب پرویز صاحب مرحوم کی وفات کی خبر سن کر حد درجہ غمگین ہوا ہوں۔ چونکہ یہ عالم اسلام کے لیے ایک عظیم نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ پرویز صاحب کا سفرِ آخرت نیک بنائیں۔

(ظفر اینڈ کو۔ مینگورہ سوات)

مرنا تو ہم سب نے ہے (جسمانی طور پر) باباجی تب مرے گا۔ جب اس کا مشن مر جائے گا کیا ہم یہ تہیہ نہیں کر سکتے کہ ان کا مشن نہ مرے اور اس طرح باباجی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ رہے۔ اللہ ہم کو یہ ہمت دے۔ یہ عزم دے

(عبیداللہ خان میانی۔ ملکا ڈھیر۔ چارسدہ۔ ضلع پشاور)

دورِ حاضر میں اسلام کی سربلندی کے لیے علامہ پرویز صاحب کی خدمات کے پیشِ نظر میں ان کی روح کو سلام پیش کرتا ہوں۔ ......

(غلام خان۔ خاکی ضلع مانسہرہ)

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

باباجی نے جو بے بہا سرمایہ علم و فکر اور تحقیق ہمارے لیے اور —— آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑا ہے وہ ان کو زندہ و پائندہ رکھے گا۔

(محمد یونس۔ پشاور)

سرخیلِ کاروانِ قرآنی کو حیاتِ جاوداں ملی

کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ کیا قرآن مجید کا کوئی ایسا نکتہ ہوگا جس پر مفکرِ قرآن نے اپنے علم کے فراس سر پٹ نہ دوڑائے ہوں گے۔ سمندرِ قرآن سے مفکرِ قرآن نے وہ وہ موتی اور جواہرات چنے۔ جن کی مالا پرو کر انسانیت اپنے گلے میں ڈالے تو انسانیت کو منزل کی طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔

بلکہ منزل ایک جست میں انسانیت کے قدموں کا بوسہ لے گی۔ قرآن کو قرآن ہی سے سمجھانے کا ہنر صرف مفکرِ قرآن ہی کے حصے میں آیا تھا

"طاہرہ" کا بابا "سلیم کا بابا" اور کاروانِ قرآن کا "بابا" چین کی نیند سو گیا

(عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ۔ پشاور)

سندھ

مورخہ ۲۵ فروری، میں بسترِ علالت پر دراز تھا کہ صبح کا اخبار لیئے برخوردار ڈاکٹر محمد علی نعیم عباسی گھبرایا ہوا آیا کہ ابا دل تھام لو بڑی غمناک خبر سنانے آیا ہوں کہ ہمارے قرآنی فکر کے استاد، روحانی بابا صاحب علامہ احمد پرویز کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے کر اپنے پاس بلا لیا ہے .... انا للہ و انا الیہ راجعون سارے گھر کے لوگوں کی زبان پر جاری ہوا اور آنکھوں سے بے ساختہ آنسو نکل پڑے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا کرم تھا جو اس نے قحط الرجال میں علامہ مرحوم جیسے نابغۂ روزگار پیدا فرما کر، انسانوں پر کیا اور قرآنی مشن کے لیئے ان کو مختص کر دیا جس سے قرآنی فکر کا قافلہ بنا اور اب آگے ہی آگے بڑھ رہا ہے۔

میں اپنے قرآنی فکر کے بھائیوں کے لیئے دعا کرتا ہوں کہ ہمیں علامہ صاحب کی جدائی پر اللہ تعالیٰ صبر عطا فرمائے اور ان کے مشن کو اور کامیابی سے آگے بڑھانے کے مواقع عطا کرے (آمین)

(ڈاکٹر رحم علی عباسی۔ حیدرآباد۔ سندھ)

محترم پرویز صاحب کی وفات پر بے حد دکھ ہوا۔ ان کا قرآنی مشن استقامت اور مشترکہ کوشش سے مناسب منصوبہ بندی کا تقاضا کرتا ہے۔ ہم اس غم کی گھڑی اور مستقبل کے "تبلیغِ قرآن کے منصوبوں" میں آپ کے ساتھ ہیں۔ (مدیر قمیر)

(تحریکِ اصلاحِ عمل۔ ناظم آباد۔ کراچی)

مؤقر اخبار نوائے وقت میں محترم پرویز صاحب کی وفات کی خبر پڑھی بے اختیار دل سے آہ نکلی ...... مرحوم غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کی خدمات جو انہوں نے تحریکِ پاکستان میں پیش کیں، جھٹلائی نہیں جا سکتیں۔ برصغیر شاید، سر سید احمد خانؒ - قائداعظمؒ - علامہ اقبالؒ اور غلام احمد پرویزؒ کا بدل پیش نہ کر سکے۔

پڑھے لکھے نوجوان طبقہ کو اسلام کا دامن پکڑے رکھنے کی تحریک جتنی ان کے لٹریچر نے کی

کسی اور دانشور کو نصیب نہ ہو سکی۔ دعا ہے کہ خدا ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔

(گلشنِ اقبال۔ کراچی)

آہ! پرویز صاحب کی رحلت سے وہ آفتاب علم و عرفان غروب ہو گیا جو نورِ قرآنی کی شعاؤں سے حیاتِ ملی کی تاریک راہوں کو روشن کرتا تھا اور جس نے کتاب و حکمت کے اسرار و رموز اس طرح واشگاف کیے کہ دین کا حقیقی شعور و ادراک عام ہو کر ذہنوں کو منور کرتا ہے بے شک تحریکِ فکرِ قرآنی جس کی آبیاری پرویز صاحب نے اپنے خونِ جگر سے کی، رواں دواں بڑھتی رہے گی۔

گو کہ مفکرِ قرآن کی کمی ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی۔ اس کمی کو پورا کرنا امرِ محال ہے۔ ان کی فکر کی وسعت و گہرائی ان کا "تدبر فی القرآن" اور ان کا اپنے مشن سے عشق منفرد اور بے مثال تھا۔ میرے عزیز محترمہ بھائی یہ غم صرف آپ ہی کا نہیں ہے۔ یہ غم میرا بھی ہے۔ یہ غم ان لاتعداد روشن دماغ اور بیدار دل افراد کا بھی ہے۔ جو پرویز صاحب کی فکرِ قرآنی سے وابستہ رہے یا متاثر ہوئے ہیں۔

(اکرام الٰہی کراچی)

بابا جی کی وفاتِ حسرت آیات پر بے حد دکھ ہوا۔ اللہ آپ کو اس مرحلہ میں ان کے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق دے۔ (ایضاً)

(بزم طلوعِ اسلام)

پرویز صاحب کی وفات کی خبر انتہائی غم لائی۔ سوگوار خاندان کے ساتھ اظہار افسوس ہے۔ (ایضاً)

(امیر اللہ بچا تیو جتاں۔ جھڈو)

——— ملتے جلتے مفہوم کے ساتھ۔ (رفعت شکور۔ کراچی)

مہربان بزرگ دوست چوہدری غلام احمد پرویز صاحب کا گزشتہ دنوں انتقال ایک ملی نقصانِ عظیم ہے۔ جس کا اس وقت یہ بدبخت قوم اندازہ نہیں لگا سکتی۔

(دین الحق قاضی۔ ناظم آباد۔ کراچی)

انہوں نے اسلام کی اس قدر خدمت کی ہے کہ اسی صدی میں کیا۔ گزشتہ عرصہ دراز میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ مگر قوم کی بدقسمتی سمجھیے کہ اس نے آپ کے علم اور خلوص سے پورا فائدہ نہ اٹھایا۔ وہ تو مومنِ حق تھے۔ (حنیفی۔ کراچی)

دورِ حاضر کے مفکر جناب غلام احمد پرویز صاحب کی مفارقت پر کن الفاظ میں اظہارِ تعزیت کروں۔ بجز چند پُرسوز دعائیہ جملوں کے چارۂ کار نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

محمد بشیر گزدر

(حیدرآباد۔ سندھ)

علامہ غلام احمد پرویز کی رحلت ملتِ اسلامیہ کا عظیم نقصان ہے۔ ہم ان کی گرانقدر خدمات کو سراہتے ہیں۔ وہ بلند پایہ عالم تھے۔ اللہ ان کی مغفرت کرے۔ (ابرقیہ)

(عبدالحکیم و دیگر ممبیں اختصاص۔ حیدرآباد سندھ)

مرحوم کی وفات مسلم اُمّہ کا ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ خدا ان کو اپنی رحمت کے سایہ میں رکھے اور پس ماندگان کو یہ عظیم صدمہ برداشت کرنے کی ہمت دے۔

نصیر احمد شیخ۔ کراچی

یہی مضمون ذرا مختلف الفاظ میں۔ لطیف الرحمٰن صدیقی۔ کراچی

(برکت علی حبیب آباد۔ محمد صدیق بیرو ہی۔ حیدرآباد)

پرویز ایسے مردِ مجاہد، عالم، فاضل کے انتقال سے نہ فقط پاکستان بلکہ ساری دنیا کے لیے ایک قسم کا خلا پیدا ہوگیا ہے۔ کیونکہ "موتُ العالِم موتُ العالَم"

(اصحاب شاہ)

حکیم غلام محمد سومرو۔ برشی۔ بھریا ٹاؤن۔ سندھ

مرحوم ساری عمر دینِ خالص کی آواز بلند کرتے رہے۔ بلا شبہ اس میں وہ کامیاب رہے۔

حق مغفرت کرے عجیب آزاد مرد تھا۔

(حافظ محمد یونس۔ کراچی)

پنجاب

مورخہ ۲۴ فروری کو گیارہ بجے شب ریڈیو کی خبروں میں دل کو تڑپا دینے والی خبر سنی کہ محترم پرویز صاحب ہمیں ہمیشہ کے لیے داغِ مفارقت دے گئے ہیں۔

انّا للہ و انّا الیہِ راجعون

؏ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(والیں۔ اے غزالی۔ منڈی صادق گنج)

آج (۸۵-۲-۲۶) اخبارات کے اداریوں میں محترم باباجی کی رحلت کے بارے میں پڑھ کر جو کیفیت طاری ہوئی، آپ بخوبی جان سکتے ہیں۔ ان کی علالت کی خبر کے بعد ہر وقت ان کی خیریت کی فکر رہتی تھی۔ مگر بالآخر موت کے ظالم پنجے نے دنیا ئے علم و عرفان کی روشنی ہم سے چھین لی۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

ایسی ہستیاں دنیا میں بار بار نہیں آیا کرتیں۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ مگر ایسی ہستیوں کا۔

(منظور حسین لال۔ دریا خان)

ہمارے محترم باباجیؒ بھی ان خوش قسمت اور خوش بخت لوگوں میں سرِ فہرست ہیں جنہوں نے بنی نوعِ انسان کی راہنمائی کے لیے زندگی وقف کردی

جس کا جاگنا، سونا، اٹھنا بیٹھنا، غرضیکہ زندگی تمام کی تمام زندگی صرف اور صرف قرآن کے لیے تھی۔ جو عشقِ رسولِ مقبولؐ میں اس قدر غرق تھا۔ کہ اپنی تو اپنی کسی دوسرے کی زبان سے بھی

حضورؐ کا نام نکلا، ادھر اس شخص کی آنکھوں سے نبی اکرمؐ کے حضور آنسوؤں کا نذرانہ پیش کر دیا۔

(مشتاق احمد صدیقی۔ بشیر احمد برمانی جام پور)

مَنْ شَآءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ
فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ

اب جس کا جی چاہے، مر جائے! مجھے تو تیری موت کا کھٹکا تھا .... میں مرحوم کے خلوص، ذہانت اور انفرادیت اور ان کی روح کو سلام کرتا ہوں۔

(مرشی۔ نادر آباد۔ ساہیوال)

پرویز صاحب نے تحریکِ پاکستان میں حصہ لیا تھا۔ انہوں نے قائدِ اعظمؒ کو دیکھا تھا۔ ان سے باتیں کی تھیں۔ انہوں نے قائدِ اعظم کے حکم پر اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دیا تھا ...... پرویز صاحب کی موت بلاشبہ ایک سچے محبِ وطن کی موت ہے۔

(شاد زبیری۔ جھنگ)

پرویز صاحب ایک روشن شمع تھے۔ ان کا نام رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔ مرحوم نے قرآنی فکر کو اجاگر کیا اور تعمیرِ انسانیت میں بھرپور نمایاں جہاد کیا۔ وہ بڑے با اصول اور با کردار انسان تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایسے انسان کبھی کبھی اور بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔

(ڈاکٹر قاضی منظر حسین۔ میانہ گوندل۔ گجرات)

پرویز صاحب مرحوم قائدِ اعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے صحیح معنوں میں شیدائی تھے اور سچے پاکستانی۔ ان کی وفات سے پاکستان ایک بہت بڑے مفکر سے محروم ہو گیا ہے۔

(محمد نواز۔ راولپنڈی)

آہ! بڑا بھائیؒ!

پرویز تیرے دم سے تھی محفل میں روشنی
روتی ہیں میری آنکھیں، اجالا کدھر گیا
دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی خوشیوں کی زندگی
رونق کہاں سے لاؤں کہ میلہ بکھر گیا

(ڈاکٹر عارف بٹالوی۔ لاہور)

آپ کی رحلت دنیائے علم و فضل اور عالمِ زرقی و جستجو کے لیے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی دعا ہے کہ یہ یادگار آئندہ کے لیے جناب پرویز کے ہاتھوں لگائے گئے شاداب پودے طلوعِ اسلام اور تمام تر مساعی جمیلہ کو پروان چڑھانے اور ہمہ جہت ترقی و برکات حاصل کرنے کی توفیق دے۔

(پاکستان آرٹس اکیڈمی۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ)

جناب غلام احمد پرویز مرحوم ومغفور کی وفات ملتِ اسلامیہ کے لئے اور خاص کر نوجوان طبقہ کے لئے ایک عظیم سانحہ سے کم نہیں ہے۔ مرحوم بصیرتِ قرآنی میں منفرد حیثیت کے حامل رہے ہیں۔ تحریکِ پاکستان کے فکری محاذ پر آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

مرحوم کے مداحوں کی کثیر تعداد دنیا میں موجود ہے۔ مرحوم نے اذہان کو جو فکر دی اس سے کئی عقدے وا ہوئے اور فرسودہ تصورات سے ذہنِ انسانی کو نجات نصیب ہوئی ہمارے نزدیک مرحوم ایک عظیم سکالر اور عالمِ دین تھے۔

(ایم رمضان جعفری، سردار گڑھ۔ رحیم یار خان)

جناب غلام احمد پرویز کی رحلت سے احیاءِ نظامِ اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے وہ حضرت قائدِ اعظمؒ بانیٔ پاکستان اور علامہ اقبالؒ مفکرِ پاکستان کے آخری ساتھی تھے اور ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا اس کو پُر کرنے کے لئے زمانے کو صدیوں انتظار کرنا پڑے گا۔

(شیخ محمد یامین۔ اختر علی رفقاء۔ بزمِ ملتان)

حلقۂ ادب منڈی بہاؤ الدین نے چوہدری غلام احمد پرویز (مرحوم) کو علامہ اقبال کا ایک بہترین شارح، فکرِ قرآن کا سب سے بڑا مفکر اور تحریکِ پاکستان کا ایک اہم سپاہی قرار دے کر خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

(خان محمد احسان۔ پروفیسر جواد حسین نقوی)

معروف سکالر علامہ پرویز کی وفات پر دلی صدمہ ہوا ہے۔ خدا انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے (آمین)

(فیاض باجوہ گوجرانوالہ۔ مسٹر سلام راولپنڈی)

ہو بہو کھینچے گا اب "اسلام" کی تصویر کون
اٹھ گیا ناوک فگن مارے گا دل پہ تیر کون

(محمد نذیر کشمیری۔ گوجرانوالہ)

کچھ نذر لائے ہیں میرے دیدۂ تر بھی

محترم جناب بابا جان مرحوم ومغفور کی وفات حسرت آیات کی خبر پڑھ کر بڑا رنج اور افسوس ہوا .... ان کی لازوال تعلیمات ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ اور افقِ ذہنی پہ قوتِ ایمانی کے نور سے منور ان کا چہرہ ہمیں کبھی نہ بھولے گا۔

(شہناز اختر۔ راولپنڈی)

قبلہ پرویز صاحب کی وفات کی خبر بھی اخبار میں پڑھنے کو ملی۔ جو حالت ہوئی بیان سے باہر ہے۔ یوں محسوس ہوا کہ اپنی جان بھی جسمِ ناتواں سے نکلی جا رہی ہے۔

امید ہے آپ حضرات فکرِ قرآنی کی شمع کو جلائے رکھنے کی تدابیر کر رہے ہوں گے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں خداوند کریم آپ کے مساعی کو کامیاب فرمائیں۔

(چوہدری عطاء اللہ۔ ساہیوال)

پرویز صاحب کی قرآنی بصیرت کی روشنی میں ہم نے جو کچھ سیکھا اور سیکھا۔ اسے کبھی فراموش نہیں کیا۔ ان کی تصانیف پڑھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہ کس قدر سچے عاشقِ رسول تھے۔ خدا تعالیٰ اس مردِ مومن پر اپنی بے بہا رحمتیں عطا فرمائے۔

(اعجاز الحق۔ خان پور)

میری اور سب احباب بزم کی دعائیں اور تمنا ہے کہ باباجی کا لگایا ہوا یہ پودا پروان چڑھے اور عزت و وقار سے یہ ادارہ پھلے پھولے اور انکی زندگی میں ان کی بلندی درجات کا باعث ہو۔

(مقبول سواکت۔ بزم گوجرانوالہ)

قرآنی مشن کو جاری رکھنے کی کوشش کیجئے گا جس کا بدل دورِ حاضر میں کہیں سنبھالی نہیں دنیا اس مشعل کی لو سے جہانِ تیرہ کو منور کرنے کی سعی پیہم کارلاتے رہیئے۔

(معراج الدین۔ قصور)

جب ریڈیو سے مفکرِ قرآن علامہ غلام احمد پرویز کی اچانک وفات کا اعلان سنا تو ہمیں دلی افسوس ہوا کہ ہم ایک عظیم مفکرِ قرآن اور ممتاز عالمِ دین اور ایک عظیم سکالر سے محروم ہو گئے ہیں۔

احباب طلوعِ اسلام

(چوٹی زیریں ڈیرہ غازی خان)

پرویز صاحب کی وفات سے نہ صرف پاکستانی قوم بلکہ پوری دنیائے اسلام کو ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہوا ہے .... دعا ہے کہ وہ شمع جو باباجی کے مقدس ہاتھوں سے روشن ہوئی تھی، جلتی رہے اور دنیا کو جہالت کے اندھیروں سے بچاتی رہے۔

(افتخار احمد قریشی۔ چکوال)

قریب قریب انہی الفاظ میں۔

(جاوید اقبال خان۔ نصراللہ خان چک نمبر ۳ شمالی م عبدالمجید ڈوگر۔ عبدالغفور چوہدری کھوڑی ضلع شیخوپورہ شبیر علی تاباں۔ اٹک۔ بشیر احمد شیخ بھالیہ۔ ظفر ندیم داؤد۔ سیالکوٹ۔ محمد شفیع چیلوان (سرگودھا) محمد یوسف نظلے کلاں (سیالکوٹ) م۔ سید اکرم شاہ (سیالکوٹ) م، حامد حسین (ڈیرہ غازی خان) اسلم حیات (راولپنڈی)

حضرت پرویز صاحب ایک عہد آفریں شخصیت تھے۔ وہ مفکرِ اسلام تھے۔ ان کی قرآنی تعلیمات ہمارے لیئے مشعلِ راہ ہوں گی ان کی رحلت پاکستان اور عالمِ اسلام کے لیئے ایک سانحہ ہے۔

(میاں ظہور احمد۔ جام پور)

ملتے جلتے الفاظ ہیں۔

شاہد محمود۔ کنجاہ۔ ... سرور خان سمندری

عاشق حسین آسی۔ عبدالحمید (کمالیہ) ملک حنیف وجدانی (مری) میراں شاہ (مری) عاصم لطیف (فیصل آباد)
محمد حسین شاہ (جہلم) میاں نور حسین تگاجر گولر (گوجرانوالہ) قمر پرویز (جہلم) حافظ خیر محمد (ساہیوال) مخدوم
ریاض حسین (چنیوٹ) محمد حسین الکھوڑ نیکی، محمد عمران (حسن ابدال)

محترم غلام احمد پرویز بیسویں صدی عیسوی کی ایک عظیم عہد ساز شخصیت اور قرآن کے بڑے مفکر اور مبلغ تھے۔ موصوف نے تقریباً نصف صدی تک قرآن خالص کی آواز کو معاشرہ کے ہر طبقہ خصوصاً تعلیم یافتہ نوجوانوں تک پہنچانے کی سعی کی اور ملتِ اسلامیہ کو قرآن کے قوانین پر عمل پیرا ہو کر اپنے مسائل کا حل "تلاش کرنے کی" تلقین کرتے رہے۔ ایسی شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں پرویز صاحب کی وفات اسلامی دنیا کے لیے بہت بڑا سانحہ ہے۔ یہ خلا شاید کبھی پُر نہ ہو سکے

(حکیم قمر الزمان ثقلینی رفقا بزم علیگہم۔ ضلع وہاڑی)

آپ کے ہزاروں مقالات، سینکڑوں خطابات اور درجنوں کتب اس بات کی شہادت ہیں کہ پرویز صاحب قرآن کریم کی روشنی میں چشم بصیرت سے دیکھتے، لکھتے اور بولتے رہے۔ اب جب کہ وہ اپنی عمر طبعی پوری کر کے اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اپنی بے بہا فکری راہنمائی کے سہارے حیاتِ جاوید کے مالک ٹھہریں گے۔

وہ شمع بجھ گئی مگر اس کے فروغ سے
قندیلِ آرزو ہے فروزاں اسی طرح

(حکیم احمد دین دہ پنج کسی ضلع ملتان)

محترم باباجی کی وفات ایک عظیم المیہ ہے۔ ایسا برگزیدہ انسان صدیوں کے بعد پیدا ہوا کرتا ہے...
باباجی کے خاندان میں صغیر و کبیر کو ہمارا غم تھا نا۔ ارباب تحریک سے ان کی وفات کا درد بھرا افسوس۔

محمد یعقوب شاہ چٹی شیخاں (سیالکوٹ)

وہ موجودہ دور کے ان چار مفکرین میں سے ایک تھے جنہوں نے عالم اسلام اور خاص کر مسلمانانِ برصغیر کی عزت و ناموس کے لیے وہ کام کیا ہے جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تھے سرسید احمد خان، علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، قائد اعظم محمد علی جناح اور غلام احمد پرویز......

نام نہاد علماء کی زبردست مخالفت کے باوجود ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو صحیح اور مثبت لائنوں پر بیان فرماتے رہے۔ وہ سچے عاشقِ رسول تھے اور اسی عشق میں اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

غم سے لبریز میرے دلی جذبات کو باباجی کے اعزا و اقربا اور تمام قارئین طلوع اسلام تک پہنچا دیں جو باباجی کے ساتھ قدم ملا کر چلتے رہے۔

(بشیر احمد۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ)

آزاد کشمیر

فکری جمود۔ تقلید محض، ملوکیت کے گھناؤنے استبداد، ملائیت اور مذہبی پیشوائیت کے پرفریب پردوں، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی ہلاکت خیزیوں، پیر پرستی اور قبر پرستی کے جعلی ہتھکنڈوں، اوہام پرستی کی فرضی داستانوں اور ہر قسم کے استحصالی حربوں کے خلاف مرحوم نے جس جرأت، استقامت اور خود اعتمادی سے چو مکھی جنگ لڑی ہے اس کی نظیر ملنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔......

پرویز صاحب "معراج انسانیت" کا تحفہ لے کر خدا کے حضور گئے ہیں۔ اس لیے ہم جیسوں کی دعاؤں کی انہیں چنداں ضرورت نہیں ..... اللہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے

(راجہ عبدالعزیز خاں۔ نردال ضلع پونچھ۔ آزاد کشمیر)

روزنامہ جنگ میں پڑھ کر انتہائی دکھ صدمہ اور کرب ہوا کہ پاکستان کے مشہور سکالر، میرے والد صاحب مرحوم کے قریبی ساتھی اور میرے محسن جناب غلام احمد پرویز اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے ہیں۔ اچانک یہ آفتاب حکمت غروب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی دینی خدمات کے صلے میں جنت الفردوس میں ارفع و اعلیٰ مقام بخشے۔

(ڈاکٹر خالد ہارون قریشی۔ اکالگڑھ۔ آزاد کشمیر)

باباجی کی تحریک طلوع اسلام نے مظلوم و محکوم دنیا کو درس آزادی و عمل دیا۔ وہ آزاد دعا پر لوگوں کی متاع عزیز تھے۔ خوش نصیب ہیں وہ جو آخر دم تک ان کے ساتھ رہے۔

(امیر افضل۔ آزاد کشمیر)

بیرون ملک

بزم طلوع اسلام کویت اپنے محبوب اور عظیم اسلامی سکالر باباجی کی وفات پر بے حد غمزدہ ہے۔ اللہ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور مرحوم کے خاندان اور احباب کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی ہمت دے۔ آمین۔ (برقیہ)

(عبید الرحمٰن۔ کویت)

مفکر قرآن کی وفات پر گہرے دلی رنج کا اظہار کرتا ہوں۔

(حسن علی بنگش۔ ملک داد بنگش۔ ام القوین۔ متحدہ عرب امارات)

محترم باباجی کی وفات کی خبر بجلی بن کر گری۔ ایک عجیب محرومی کا احساس ہوا..... ان کی وفات کا افسوس کسی ایک سے کیا کیا جائے۔ یہ افسوس تو ہر ایک کا ہر ایک کے ساتھ ہے

(ایم صفدر رانا۔ بزم دمام۔ سعودی عرب)

محترم پرویز صاحب کے اس جہان رنگ و بو سے چل بسنے کی جگر سوز اور روح فرسا خبر سن کر دلی صدمہ ہوا۔ ان کی بیماری کی نوعیت اور عمر رسیدگی کے باعث یہ سانحہ کسی بھی وقت متوقع تھا لیکن اس کے باوجود جب ان کی فوتیدگی کی خبر پڑھی تو دل اسے صحیح ماننے پر تیار نہ تھا اس کی وجہ شاید یہ تلخ حقیقت تھی کہ پرویز صاحب اس سرزمین میں واحد ایسی شخصیت رہ گئے

تھے جو علم وبصیرت کی شمع فروزاں کیے ہوئے تھے۔ ان کی موت کے ساتھ اس المناک حقیقت کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہمارا ملک جہاں اور بہت سی محرومیوں کا شکار ہے۔ وہاں ایک غیر متعین عرصے تک علم وفضل اور فہم وفراست کی روشنی سے بھی محروم ہوگیا ہے۔ زندگی کو کوئی اور دانا ئے راز پیدا کرنے کے لیئے نہ جانے اور کب تک خون نالہ رلانا ہوگا۔

(ایم۔ایچ کیانی لندن یو کے)

باباجی کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے شاید وہ جلد پُر نہ ہو سکے۔

(غلام احمد۔بریڈ فورڈ۔انگلینڈ)

باباجی کی ناگہانی موت کا اخبار میں پڑھ کر دلی صدمہ ہوا ہے۔ باباجی کے جسد عنصری کا موجود نہ ہونے کا احساس ہر آن اور ہر لمحہ ہوتا رہے گا۔ مگر باباجی کی تعلیم کی روشنی ہر آن ہر سُو چمکتی رہے گی۔ کیونکہ یہ حق کی آواز ہے۔

گو باباجی ہماری دعاؤں کے محتاج نہیں مگر پھر بھی اظہار خیال ہے کہ خداوند کریم ان کے جسد عنصری کو جوار رحمت میں جگہ دے۔

(محمد سلیمان چوہدری۔برمنگھم یو۔کے)

اراکین بزم ٹورنٹو کینیڈا مفکر قرآن کی رحلت پر بے حد رنجیدہ ہیں اور اہل خانہ پسماندگان اور احباب ادارہ طلوع اسلام کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

اراکین بزم ٹورنٹو اس بات کا بھی عہد کرتے ہیں کہ اس مرد درویش نے حقائق قرآنی کی جن شمعوں کو، مخالفتوں کے جھکڑوں میں بھی روشن کیے رکھا وہ انہیں لے کر اُس سیاہ رات کا سینہ چیر یں گے جسے دین کی مخالف قوتوں نے قائم کر رکھا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ جب سیاہ راتیں مرحوم کی جلائی ہوئی شمعوں کے نور سے آئینہ پوش ہوں گی تو ان کی جدائی کے صدمے میں کچھ کمی محسوس ہوگی۔

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے۔

(اراکین بزم ٹورنٹو۔کینیڈا)

راولپنڈی ۲۵ فروری ۱۹۸۵ء

صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کا تعزیت نامہ

علامہ غلام احمد پرویزؔ کی بیوہ کے نام بھیجے گئے تعزیت نامہ میں جناب صدر نے فرمایا:-

"آپ کے شوہر علامہ غلام احمد پرویزؔ کی المناک وفات پر مجھے دلی صدمہ ہوا ہے۔ براہِ کرم میری تعزیت قبول فرمایئے۔

علامہ پرویزؔ کو تحریکِ پاکستان کے لئے کام کرنے کا اعزاز حاصل تھا جس دوران میں انہوں نے قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کے خیالات و نظریات سے استفادہ کیا۔ بعد میں انہوں نے اپنی زندگی اسلام کے مطالعہ کے لئے وقف کر دی اور اسلام کی تشریح و تعبیر اپنی بہترین ذہنی صلاحیتوں کے مطابق کی۔ اس سلسلے میں ان کے بہت سے پیروکار ہیں۔

علامہ پرویزؔ کو قدرت نے زورِ قلم سے نوازا تھا جسے انہوں نے اپنے نظریات کو نہایت پُراثر انداز میں تفصیلاً پیش کرنے کے لئے کامیابی سے استعمال کیا۔ تحریکِ پاکستان کے ایک مخلص کارکن اور ایک عظیم و منفرد عالم کی حیثیت سے وہ مدتوں یاد رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے نوازے اور آپ کو یہ نقصان برداشت کرنے کا حوصلہ بخشے۔

آہ! چوہدری غلام احمد پرویز (نور اللہ مرقدہٗ)

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے (غالب)

اے چرخِ گردوں تجھے کیا ملا، سراج المنیر گل کر دیا جس کی شبِ تاریک میں بہت ضرورت تھی۔ تجھے علم ہے کہ آج تو نے وہ منفرد اسلوبِ قلم ہم سے چھین لیا جو تہجد کی تنہائیوں میں قرآن کے گرد آلود غلاف کو صاف کرتا تھا۔ قرآن الفجر کی قرائت میں جس کے ساتھ طیور بھی نغمہ سنج ہوتے تھے جو صبحی و اشراق میں قرآن کے فہم و ادراک کو جلا بخشتا تھا جو ظہر کی تنہائیوں میں قرآن کے بحرِ معانی میں غواصی کر کے وہ گوہر ہائے تابدار نکال کر لاتا جس کی تابانی میں قرآن کی باریکیاں نکھر کر سامنے آتیں۔ جو صلوٰۃ الوسطیٰ کو عملی شکل میں ہمارے رگ و پے میں رواں دواں دیکھنے میں امن و سلامتی اور خیرِ امّت اُخرِجت للناس کا جھنڈ ولائینگ بنانے کا خواہاں تھا۔ جس کے قلم گوہر بار کو حق گوئی دیے پاکی سے خود ساختہ مذہب کے عجمی بند کبھی نہ روک سکے۔ وہ چوٹے دواں کی طرح صاف و شفاف دینِ حق کی بلاغت کے دریا بہاتا رہا۔ اُسی کا تو ہر قول و فعل قرآن کا فکرِ سلیم تھا۔ ایسے عظیم دانشور اور مفکرِ قرآن کو ہم سے جبداً تو چھین لیا مگر یاد رکھ وہ اسقدر علم کے خزانے چھوڑ گیا ہے کہ آنے والے زمانے کی تحقیقات اور تجلیات سے کو کبھی تہی دست نہیں ہونے دے گا۔

جب تک اس کی تصانیف زندہ ہیں وہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا حیاتِ آخرت اسے دوام بخش چکی ہے۔ حق مغفرت کرے عجیب آزاد مرد تھا۔

منجانب:۔ حکیم سعید احمد پھلوریؒ
۷۴-H ماڈل ٹاؤن لاہور

نوٹ قارئین کی اطلاع کے لئے بصد افسوس گزارش ہے کہ حکیم صاحب موصوف خود بھی ۴ اور ۵ مارچ کی درمیانی رات میں دل کی حرکت بند ہو جانے سے وفات پا گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے۔

سوگوار: ناظم ادارہ طلوعِ اسلام

معراجِ انسانیت

(تازہ ایڈیشن شائع ہو گیا)

سیرتِ صاحبِ قرآن ۔ خود قرآن کے آئینے میں
حُسنِ سیرت کی رعنائیاں ۔ خالقِ حسن کی نگاہ میں

- سیرتِ طیبہ کے ہر گوشے کا عنوان قرآنی آیات اور اسکی تشریح احادیث صحیحہ کی روشنی میں
- ہر واقعہ کی تائید علم و بصیرت اور دلیل و برہان کی رُو سے
- غیر مسلموں کے اعتراضات کا مدلّل اور مسکت جواب
- دنیا بھر کے اربابِ فکر و نظر کا خراجِ تحسین

بارگاہِ رسالت مآبؐ میں

ایک انقلاب انگیز تصنیف، ایک عہد آفریں کوشش۔ عشق و خرد کا حسین امتزاج

بڑا سائز۔ ضخامت سے پانچسو صفحات۔ کاغذ نہایت اعلیٰ جلد مضبوط، مزین اور مطلاّ

قیمت فی جلد -/۹۰ روپے علاوہ محصول ڈاک

ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور

مکتبہ دین و دانش ۔ چوک اُردو بازار لاہور

پیمانِ وفا

اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو
توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا

اے ہم سفرو! یہ کیا ہوا۔ کس بدخواہ کی نظر لگ گئی۔ ہم پر وہ گزر گئی جو لکھ نہیں سکتے۔ وہ بیتی جو کہہ نہیں سکتے۔ وہ ہوا جو سوچ نہیں سکتے۔

وہ جو بحرِ الفت تھا نہ رہا۔ وہ جو سایۂ شفقت تھا ڈھل گیا۔ وہ جو دریائے مروّت تھا خشک ہوا۔ وہ جو امیدوں کا شاہزادہ تھا چل دیا۔

غمِ زیست کے دکھیارو! مشفق مسیحا نفس چلا گیا۔ اب زخمِ دلِ پرمحبت کی مرہم کون رکھے گا۔ اب کس کا روئے متبسم تمہاری ناامیدی کو آس میں بدلے گا۔ اب دکھوں میں سہارا کون دے گا۔ کون دل شکستگی میں ہمیں گلے لگائے گا اور کس کی شگفتگیٔ مزاج کلبۂ افلاس کو منوّر کرے گی۔

اے علقۂ یاراں! رزمِ حق و باطل میں اب پُشتیبان کون بنے گا۔ اب طلوعِ فجر کی اذان کون دے گا۔ اندھیرے کس طرح چھٹیں گے۔ اب آخری فتح و نصرت کی بشارتیں کون دیا کرے گا۔

جہانِ شوق تھا اُجڑ گیا۔ بزمِ آرزو تمام ہوئی۔ فسانۂ مہر و کرم ختم ہُوا۔

مگر نہیں۔ اے دلِ الم نصیب ٹھہر۔ سُن یہ کیا آواز آ رہی ہے۔ ہوش کے کانوں سے صدائے دوست سن۔ فرمایا:۔

"بے شک میں اب چراغِ سحری ہوں لیکن اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ فطرت کا قانون ہے کہ ہر سحر کے بعد صبح کی نمود ہوتی ہے۔ اس لیے میرے بجھنے کے بعد تاریکی نہیں، اُجالا ہو گا۔" (پرویز)

اللہ اکبر۔ انسانیت کے روشن مستقبل پر اس قدر سچا اعتماد اور ایسا محکم یقین صرف پرویز صاحب کے ہاں ہی مل سکتا ہے۔

امیدوں کی یہ نور بھری قوسِ قزح صرف وہی دل بُن سکتا ہے جو محبت سے لبریز ہو۔

یہ صدا کیسی انسان آفریں۔ انسان پرور اور انسان دوست ہے۔ اسے سُن کر کس کا دل زندہ رہنے کو نہ چاہے گا۔

شروع فروری کی ایک ٹھٹھری ہوئی صبح تھی۔ محترم بڑھتی ہوئی اذیت سے رنج اور نقاہت سے نڈھال تھے۔ علالت نے تشویشناک صورت اختیار کر لی تھی۔ میں حاضرِ خدمت تھا۔ وہ آہستہ آہستہ وصیت کے انداز میں باتیں کہہ رہے تھے۔ میرا دل سخت بوجھل اور طبیعت اداس تھی۔ ان کی ایک ایک بات پر یوں محسوس ہوتا، جگر کٹ رہا ہے۔

ایسے میں اُنہیں کچھ یاد آیا۔ ہمیشہ سے، جب سے میں نے حاضری دینا شروع کی تھی یہ دستور رہا کہ آئندہ ماہ شائع ہونیوالا طلوع اسلام یا اس کا مسودہ ہمیشہ مجھے پڑھواتے اور مشورہ لیتے۔ میں اس طریق کے لئے بے حد ممنون رہتا تھا اور اسے اپنے پہ اُن کا احسان اور شفقت سمجھتا۔

لیکن علالت کے دوران یہ دستور ٹوٹ گیا تھا۔ بس یاد آیا تو اکدم بات کرتے کرتے رک گئے۔ اشارہ سے شیخ صاحب کو کہہ کر طلوع اسلام کا شمارہ منگوایا۔ اسے ہاتھ میں لے کر کچھ دیر بڑی محبت اور حسرت سے دیکھتے رہے۔ پھر مجھے دیا اور اشارہ کیا کہ میں ورق گردانی کر کے مشورہ دوں۔

کھولا تو صفحہ اوّل پہ بہ عنوانِ لمعات، حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ حسبِ سابق موجود تھا۔ وہی گہرائی۔ وہی گیرائی۔ وہی شائستگی وہی شان موجود تھی۔ تازگی بھی تھی اور تمازت بھی۔ قرآن کریم کے ترازو میں تُلا ہوا انصاف کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا تھا۔ حق گوئی اور بے باکی سے نہایت کھری اور نڈر زبان میں موجود تھا۔

میں نے سوچا اس حالت میں بھی چمنِ طلوع اسلام کی آبیاری کئے جا رہے ہیں۔ قلتِ جاں سکے باوجود خونِ جگر کا ہدیہ پیش کئے جا رہے ہیں۔ دم بخود ہو کر پوچھا: بابا جی خدا نخواستہ کوئی حادثہ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے۔ نقاہت کے باوجود چہرہ اک عزم صمیم سے دمک اُٹھا۔ رُخِ روشن پہ اُمیدِ فردا کی سُرخی جھلکنے لگی۔ سہارا لے کر اُٹھ بیٹھے۔ آنکھیں اشکبار تھیں لیکن لب ہمیشہ کی طرح تبسم کناں تھے۔ جلال سے کہنے لگے "ذرا دیکھو اپنے چاروں طرف۔ دیکھو! میں نے کیسے ان گنت۔ کتنے خوبصورت چراغ جلا دیئے ہیں۔ اب بھی تاریکیوں سے ڈرتے ہو۔ اب بھی بے یقینی میں مبتلا ہو۔ ظفر صاحب، اطمینان رکھو۔ اب اندھیرے کبھی نہیں لوٹیں گے۔ اب روشنیاں کبھی ماند نہیں پڑیں گی۔ یقیناً میرے رب کا قول پورا ہو کر رہے گا۔" پھر کہا "سنو! اب منزل زیادہ دور نہیں۔ ہمت سے کام لیں راہیں خود بخود روشن ہو جائیں گی۔"

اپنے آنسوؤں کی دھند میں اُن کی طرف دیکھا تو اشکِ رواں کی لہر جاری تھی مگر چہرہ پر ایک سکون۔ ایک عزم مصمم اور دلکش روشنی تھی۔ کہنے لگے "بھئی میرا آپ لوگوں سے بچھڑنا کیسا۔ مجھے جانا بھی کہاں ہے۔ میرا دل۔ میری روح۔ میری آرزوئیں۔ میری تمنائیں سبھی تو اس قرآنی مشن میں سموئی گئی ہیں۔ میں تو سدا اس مہم میں حاضر و موجود رہوں گا۔ قرآن کریم کی مشعلِ نور، پاش اٹھا کر منزلِ انسانیت کی طرف بڑھتے جایئے۔ مستقل اور مسلسل جد و جہد اَن تھک اور ان مٹ لگن۔ جذبِ صادق اور یقینِ لازوال۔ میرے رفیقو! تم مجھے ہمیشہ ہمراہ پاؤ گے۔ اپنے قدموں کی آواز کے ساتھ میری چاپ بھی ضرور سنو گے۔ میرا دل ہمیشہ تمہارے ساتھ دھڑکے گا۔ یقین مانو! بہاریں آکے رہیں گی۔ صبح نور طلوع ہو کر رہے گا۔"

مجھ غم نصیب کی اُن سے یہ آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد وہ شفقتوں کے در مجھ پر ہمیشہ کے لئے بند ہو گئے۔ آفتابِ کرم روٹھ گیا اور پیر بابا جی نے مجھ سے بول چال بند کر دی۔

ع

"میں نے فانی ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات"

اے روحِ پرویز مطمئن رہ، یہ علمِ قرآنی ہمیشہ بلند رہے گا۔ یہ قندیلیں ہمیشہ روشن رہیں گی اور تیرے جاں نثار صدقِ دلی اور یقینِ محکم سے پیہم آگے بڑھتے رہیں گے۔

جب تک رگِ زیست میں ایک بھی سانس باقی ہے تیرے میکشوں کا یہ قافلۂ جاں فروش مسلسل

رواں دواں رہے گا۔ یہ مشن جاری و ساری رہے گا ھِیَ حتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔ اور یہ زمین اپنے نشو و نما دینے والے کے نور سے جگمگا نہ اُٹھے۔

"اچھے باباجی! ہم آپ کو مایوس نہ کریں گے۔

یہ ہمارا عہد ہے۔
ہمارے اور آپ کے درمیان خدا کی
کتاب ضامن ہے۔"

الوداع اے محسنِ عظیم۔ الوداع
الوداع اے اُستادِ کریم۔ الوداع

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْن

ظفر احسن محمود۔
راولپنڈی

ضرورت رشتہ

۲۷ سالہ صحت مند دراز قد ایسوشی ایٹ انجینئر ارائیں نوجوان ملازم سعودی عرب کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ دراز قد لڑکی کا **رشتہ** مطلوب ہے۔ نہ جہیز کا مطالبہ نہ رسم و رواج کی پابندی۔

(م-ل) معرفت ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور

متاعِ دین و دانش لُٹ گئی اللہ والوں کی!

دنیا میں جو شخص مروجہ عقائد و نظریات کی تائید کے لیے اٹھتا ہے، بغیر تحقیق کہ وہ صحیح ہیں یا غلط، اس کے لیے زندگی کی بڑی بڑی آسانیوں اور طرح طرح خرامیوں کی راہیں ہوتی ہیں۔ وہ جب پہلے دن اپنی آواز بلند کرتا ہے تو لاکھوں کروڑوں انسانوں کو اپنا ہم نوا پاتا ہے وہ جب اِن خود ساختہ متوارث رسوم و مسالک کی تائید میں بزعم خویش دلائل و براہین پیش کرتا ہے تو عوام کا گروہ عظیم اسے اپنے عہد کا سب سے بڑا مفکر قرار دیتا ہے وہ جس طرف سے گذرے ہزاروں انسان اس کے پیچھے چلتے ہیں اس طرح وہ ان کا مسلّمہ لیڈر بن جاتا ہے۔ عقیدت مند اُس کے لیے دیدۂ و دل فرش راہ کرتے اور اُس کے حضور سرِ نیاز خم کرتے ہیں ہر طرف اُس پر پھولوں کی بارش ہوتی ہے ہر طرف سے زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے اس کا استقبال کیا جاتا ہے اس کے لیے دنیا بھر کے سامان راحت و آسائش مہیا کیے جاتے ہیں متبعین اس کے جلو میں اور خدام اسکی بارگاہ میں دست بستہ ایستادہ رہتے ہیں اس کے سب کام بلا مزد و معاوضہ ہوتے ہیں کیونکہ ہر معتقد اسکی خدمت کو موجب ہزار ثواب و سعادت سمجھتا ہے وہ جس شخص یا گروہ کو اپنا حریف خیال کرتا ہے یا جس سے اپنی دوکانداری کے منداپڑ جانے کا خدشہ ہوتا ہے اُسے کچلنے کے لیے اسے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا پڑتا کہ اسے باطل پرست اور فتنہ پرداز قرار دیکر اسکی مخالفت کو "جہاد فی سبیل اللہ" سے تعبیر کر دے اور اس طرح عوام کے جذبات کو اس کے خلاف مشتعل کرتا رہے اور اس مہم کو سر کرنے کے لیے دولت کے ڈھیر اُس کے قدموں پر لگ جاتے ہیں اور رضاکاروں کی جماعتیں اس کے اشارہ پر جان تک دینے کو تیار ہو جاتی ہیں اب وہ مفکر کے ساتھ مجاہد بھی بن جاتا ہے اور ایک مہیب قوت کا مالک۔ اسی قوت کے بل بوتے پر وہ دوسروں کو ڈرا دھمکا کر اپنے سب کام نکالتا رہتا ہے۔ عزت۔ آسائش۔ دولت، قوت، امارت یہ سب فتوحات اس کے حصے میں آتی ہیں جو عوام کے عقائد و تصورات کی تائید کے لیے اٹھتا ہے۔

اس کے برعکس اس شخص کی حالت پر غور کیجئے جو عوام کی رَو میں بہنے کی بجائے زمانے کے دھارے کا رُخ صراطِ مستقیم کی طرف موڑنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ وہ مروجہ عقائد اور موروثی نظریات میں سے ایک ایک کو لیتا ہے اور انہیں ایک غیر متبدل معیار پر پرکھ کر، حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیتا ہے۔ اس سے اِن لوگوں کو خطرہ محسوس ہوتا ہے جو اسکی اس انقلابی دعوت میں اپنی اِن مفاد پرستیوں کی ہلاکت دیکھتے ہیں وہ اسکی مخالفت کے لیے متحدہ محاذ بنا کر صف آرا ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں

إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ ٥ ۲۳/۴۳

ہم نے اپنے اسلاف کو انہیں عقائد اور نظریات پر چلتے دیکھا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ کل خیر فی اتباع من السلف (شامی جلد اول صفحہ ۴۴) نجات و سعادت، اسلاف کی اتباع ہی سے حاصل ہوتی ہے ہم ان کے نقوش قدم سے ذرا بھی ادھر ادھر ہٹنا نہیں چاہتے۔ اس کے جواب میں جب خدا کا یہ فرمان پیش کیا جاتا ہے کہ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا

یَھۡتَدُوۡنَ ○ (۲/۱۷۰)

تو اس جواب سے ان مفاد پرستوں کے سرغنوں کے ہاتھ میں مخالفت کا بہت بڑا حربہ آ جاتا ہے وہ عوام کے جذبات کو یہ کہہ کر مشتعل کرنا شروع کر دیتے ہیں .... کہ دیکھو یہ شخص تمہارے بزرگوں کی توہین کرتا ہے یہ کہتا ہے کہ وہ ناسمجھ اور گمراہ تھے صحیح راستے پر چلنے والا یہی ایک آیا ہے۔ اس قسم کی فتنہ انگیزی سے وہ عوام کے جذبات کو بھڑکاتے اور انہیں ایذا رسانی پر اکساتے رہتے ہیں اس طرح وہ اس کے خلاف ایسا محاذ کھڑا کر دیتے ہیں کہ وہ جہاں جاتا ہے اس کی بات سُنے اور سمجھے بغیر اس کی مخالفت شروع ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ لوگ علم و سند اور دلائل و براہین سے اس کے دعوے کی تردید نہیں کر سکتے اس لیے جذبۂ انتقام اور احساس کمتری کی بنا پر اس کے خلاف اوچھے ہتھیاروں پر اتر آتے ہیں اور اُسے گالیاں تک دینے سے گریز نہیں کرتے۔ اس پر بھی ان کا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوتا تو غلط بیانی اور بہتان طرازیوں سے کام لے کر اس کے خلاف فتاویٰ حاصل کر کے کافر گری کا فن اختیار کر لیتے ہیں۔

سلسلہ انبیاء کرام نبی آخر الزمان کی ذات اقدس و اعظم پر پہنچ کر ختم ہو گیا لیکن جس آسمانی انقلاب کی طرف وہ دعوت دیتے تھے وہ قرآن کریم کی شکل میں قیامت تک باقی رہے گا لہٰذا اب دعوتِ انقلاب علیٰ منہاج نبوت کے معنی ہیں دعوت الی القرآن۔ نبی آخر الزمان نے جب قرآن کی طرف دعوت دی تو ہر طرف سے اس آواز کی شدید مخالفت ہوئی انہی مخالفین میں وہ اہل کتاب بھی تھے جن کے لیے یہ دعوت کوئی نئی آواز نہیں تھی لیکن انہی اہل کتاب نے حضور کی جی بھر کر مخالفت کی۔

نبی آخر الزمان کے بعد بعینہٖ یہی صورت ہر اس داعی انقلاب کے ساتھ پیش آتی ہے جو قرآن کی طرف دعوت دینے کے لیے اٹھتا ہے وہاں مخالفت سابقہ اہل کتاب کی طرف سے تھی اور اب وہی مخالفت خود مسلمانوں کی طرف سے ہوتی ہے۔ یہ بات بڑی تعجب انگیز اور حیرت انگیز نظر آتی ہے کہ ایک قوم ایک کتاب پر ایمان کی بھی مدعی ہو لیکن جب اُسے اس کتاب کی طرف آنے کی دعوت دی جائے تو وہ اس دعوت کی شدید مخالفت بھی کرے۔ بات واقعی تعجب انگیز ہے لیکن اس کا کیا علاج کہ یہ ایک ایسی حقیقت نفس الامری ہے جس پر تاریخ اور خود ہمارا دور شاہد ہے۔ اس مخالفت میں مسلمانوں کا ردعمل، ان کے اعتراضات اور بزعم خویش، دلائل بعینہٖ اسی قسم کے ہوتے ہیں جنہیں قرآن نے اقوام سابقہ اور نبی اکرمؐ کے زمانہ میں اہل کتاب کی طرف سے پیش کردہ بیان کیا ہے وہی وجدنا آباءنا..... کی اسلاف پرستی کی دلیل! اور پھر مخالفت میں لفظاً بہ لفظاً اور قدم بہ قدم انہی کی روش کی تقلید۔ ان حالات میں آپ اندازہ لگا لیجئے کہ ایک داعی الی القرآن کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ کس طرح ان تمام آسائشوں اور راحتوں سے محروم رہ جاتا ہے جو روشِ عامہ کی تائید کرنے کی صورت میں پکے پھل کی طرح از خود اس کی جھولی میں آ گرا کرتی تھیں وہ ان آسائشوں اور راحتوں ہی سے محروم نہیں رہتا بلکہ ہر طرف سے ہدفِ طعن و تشنیع بنتا ہے یہ سب صرف اس جرم کی پاداش میں کہ

قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ: وہ کہتا ہے کہ رب صرف اللہ ہے اور اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ ؕ (۷/۳)

صرف اُسی کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل ہوا ہے اور اس کے علاوہ اور کسی کارساز کی اتباع مت کرو۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ تاریخ، اقوام عالم کے کوائف و احوال کی داستان کا نام ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ اُن معدودے چند شخصیتوں کے کارناموں کا ریکارڈ ہے جو زندگی کے دھارے کو صحیح سمت کی طرف موڑنے کے لیے آتی ہیں۔

بابا جی (محترم پرویز صاحب) کا شمار انہی شخصیتوں میں ہوتا ہے جو کائنات کے یم بے کنار میں روشنی کے بلند میناروں کی طرح کھڑی ہیں کہ بھولی بھٹکی کشتیاں ان سے نشانِ منزل کا سراغ پا سکیں۔

یہ لکھتے ہوئے ہاتھ کانپتا اور قلم لرزتی ہے کہ ہمارے دور کی اتباعِ نبی آخرالزمانؐ میں قرآنِ خالص کی آواز بلند کرنے والی نادرۂ روزگار ہستی، محترم پرویز صاحب ۲۴ فروری ۸۵ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئی۔ جن قوموں میں زندگی کا صحیح نظام قائم ہو، انہیں افراد کی موت سے کوئی کام بند نہیں ہوتا۔ افراد آتے ہیں اور افراد جاتے ہیں لیکن وہ نظام اپنے زورِ دروں سے بدستور آگے بڑھتا چلا جاتا ہے لیکن جن قوموں میں نظامِ زندگی مفقود ہو انہیں کسی زندہ یعنی صحیح معنوں میں زندہ اور زندگی بخش فرد کی موت، اور ایسے وقت میں موت جب کہ اس کا مشن ابھی ناتمام ہو بہت بڑا سانحہ ہوتا ہے۔ ایسی اقوام میں اوّل تو دیدہ ور افراد پیدا ہی بڑی مشکل سے ہوتے ہیں اور اگر کوئی ایسا فرد اپنے پیشِ نظر مقصد کی تکمیل سے پہلے مر جائے تو یہ اس قوم کی انتہائی بدقسمتی ہوتی ہے۔ لیکن اس بدقسمتی کا احساس تو اسی کو ہو سکتا ہے جو یہ سمجھے کہ

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں۔

بابا جی کی وفات دنیائے علم و تحقیق کا نقصانِ عظیم ہے وہ عالمِ اسلام کی ایسی گرانقدر شخصیت تھے جس کا بدل ایک عرصہ تک ممکن نہیں۔ علم کا موجزن سمندر لیکن خاموش۔ انقلاب کا بحرِ متلاطم لیکن پُرسکون۔

ہم ان کی عظمت کا صحیح اندازہ اس لیے نہیں لگا سکتے کہ ہم خود اس رزمگاہ میں کھڑے ہیں۔ آنے والا مورخ جب ہمارے دور پر مبصرانہ نگاہ ڈالے گا تو وہ بتا سکے گا کہ ان لوگوں کا مقام کیا تھا جنہوں نے مسلمانوں کو صدیوں بعد پھر سے قرآن سے متعارف کرایا اور بتایا کہ

ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

فضائے عالم میں اس وقت قرآنِ خالص کی جو آواز سنائی دیتی ہے اس کے عام اور بلند کرنے میں بابا جی (محترم پرویز صاحب) کا ایک منفرد مقام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ان کی وفات پر قرآنِ کریم کے ہر شیدائی کی آنکھیں شبنم فشاں ہیں۔

میں نے اپنی عمر میں ایسا صابر، وسیع الظرف، سادہ، پُرخلوص اور پیکرِ محبت انسان۔ قرآن کا اتنا بڑا عالم اور شیدائی اور ایسا شفیق رفیق نہیں دیکھا۔ دنیائے علم و بصیرت میں جو جگہ بابا جی خالی کر گئے ہیں بھری نہیں جا سکتی اور جو خلا ہمارے قلوب حزیں میں اس حادثہ سے پیدا ہوا ہے وہ پُر نہیں ہو سکتا۔ اب انکی یاد اور ان کے مشن کو زندہ رکھنا ہی ہماری زندگی کا سرمایہ ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے۔
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جگر فگار

محمد اسلام
نمائندہ بزم کراچی

سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ

۲۴ فروری ۱۹۸۵ء کی تاریخ زمانے کی تختی پر محفوظ ہو گئی۔ ادھر اس جہانِ فانی کا سورج افق پر غروب ہو رہا تھا اور ادھر بیسویں صدی کا علمِ قرآن کا خورشیدِ جہانتاب اور آسمانِ خطابت کا درخشندہ ستارہ نگاہوں سے اوجھل ہو رہا تھا چنانچہ وہ ساز جس نے نصف صدی تک گنبدِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل کو جاری رکھا بند ہو گیا اور وہ آواز جس کے مقامِ محمدیؐ اور سورۃ النجم بیان کرتے وقت شاید آسمان کے فرشتے بھی صف بستہ کھڑے ہو جاتے تھے ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔

بہت سے احباب کو آج سے بیس پچیس برس پیشتر کا واقعہ یاد ہو گا جب میں نے طلوعِ اسلام کے ایک کنونشن کے موقع پر کہا تھا کہ انسان جب اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا مانگتا ہے تو اکثر اس میں کوئی نہ کوئی خود غرضی شامل ہوتی ہے میری دعا ہے کہ اے خدا! محترم پرویز صاحب کو کم از کم اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ میں زندہ ہوں۔ لیکن آہ پرویز صاحب آج مجھ سے جدا ہو گئے۔ میں روزِ محشر پرویز صاحب سے یہ گلہ تو ضرور کروں گا کہ آپ مجھے اکیلا چھوڑ کر کیوں آ گئے تھے۔

کئی سالوں سے میری سماعت میں خرابی کی وجہ سے درس میں حاضری بند رہی ہے لیکن مرحوم سے ملاقات مسلسل جاری رہی چونکہ میری ملاقاتوں میں کوئی نہ کوئی قرآنی مسئلہ سامنے ہوتا تھا اس لئے پرویز صاحب میرے آنے پر فوراً کاغذ اور قلم سنبھال کر بیٹھ جاتے تھے۔ جب ٹانگ میں درد شروع ہوا تو ایک روز افسردہ لہجے میں فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب! میں کب تک اس طرح بیکار پڑا رہوں گا۔ میں نے کہا مایوسی کی کوئی بات نہیں اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے کہ جلد اپنی پوری ACTIVITY شروع کر سکیں لیکن آہ کہ ایسا نہ ہو سکا۔

ہسپتال سے واپسی کے بعد جب بھی میں آیا انہیں نڈھال پڑے دیکھا۔ بات نہیں کر سکتے تھے۔ رخصت سے کوئی دو ہفتے پہلے ایک روز میں آیا تو مجھے کاغذ پر لکھ کر بتایا گیا کہ پرویز صاحب کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب آپ جلدی جلدی آیا کریں آپ کے آنے سے مجھے شفا ہوتی ہے۔ یہ میرے ساتھ ان کی آخری بات تھی۔

میرے بھائیو! ہم آج غم و اندوہ کی گھنگھور گھٹاؤں میں گھرے ہوئے ہیں تاہم مایوس نہیں ہیں۔ پرویز صاحب مرحوم کا جسدِ خاکی خالقِ کائنات کے قانونِ موت و حیات کے سپرد ہو گیا لیکن علمِ قرآن کا وہ چراغ جسے وہ روشن کر گئے ہیں ہمیشہ ہمیشہ ہماری اور ہماری آنے والی نسلوں کی راہنمائی کرتا رہے گا۔ پرویز صاحب مرحوم کی ذات زندہ جاوید ہے۔ جو شخص قرآن کو سمجھنا چاہے اور جو شخص قرآن پر ریسرچ کرنا چاہے سب کے لئے پرویز صاحب کا لٹریچر راہنمائی کرے گا۔ مفہوم القرآن، مطالب الفرقان، تبویب القرآن اور خاص طور پر لغات القرآن صدیوں تک علمِ قرآن سے شغف رکھنے والوں کے لئے مشعلِ راہ رہیں گے۔ جو قرآن کو سمجھنا چاہے اس کے لئے مفہوم القرآن اور مطالب الفرقان موجود ہیں۔ جو قرآن پر ریسرچ کرنا چاہے یا اس کے کسی موضوع پر کچھ لکھنا چاہے اس کے لئے

لغات القرآن کا بے بہا خزانہ اور تبویب القرآن موجود ہیں اور جو قرآن اور اسلام کے متعلق عام معلومات حاصل کرنا چاہے اس کے لئے دیگر لٹریچر موجود ہے۔ اب یہ ذمہ داری پس ماندگان پر آن پڑی ہے کہ جس شمع کو وہ روشن کر گئے ہیں اس کی روشنی کو مدھم نہ ہونے دیں۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ اس ذمہ داری کو نبھا سکیں۔

آخر میں میری دعا ہے۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ
رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۚ
(۳:۱۹۳)

اے میرے پروردگار ہم نے ایک ندا کرنے والے کو سنا کہ ایمان کے لئے پکار رہا تھا۔ یعنی اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے۔

اے ہمارے نشوونما دینے والے ہم سے اگر کوئی بھول چوک ہو جائے تو اس کے مضرت رساں نتائج سے ہمیں محفوظ رکھنا۔ ہماری چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں اور تدبیری ناہمواریوں کے اثرات مٹاتے رہنا اور ہمارا انجام ان لوگوں کی رفاقت اور معیت میں کرنا جن کے سامنے زندگی کی وسعت اور کشاد کی راہیں کھل چکی ہیں۔

اللہ تعالیٰ محترم پرویز کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ اور آخرت میں ان کی شایانِ شان مراتب بلند کرے۔

(ڈاکٹر سید) عبدالودود۔
لاہور

خریدار صاحبان متوجہ ہوں

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

ا۔ بسا اوقات ادارہ ہذا کے نام جو منی آرڈر موصول ہوتے ہیں ان کے کوپنز (COUPONS) پر خریدار کا مکمل پتہ نہیں لکھا ہوا ہوتا۔ اس کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ تعمیل میں بلاوجہ تاخیر نہ ہو۔

۲۔ پرچہ نہ ملنے کی اطلاع خریدار ماہ رواں کی پندرہ تاریخ تک بھیج دیں۔ اس صورت میں ہی پرچہ دوبارہ ارسال کیا جائے گا۔

۳۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی لفافہ ارسال کریں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام

مفکرِ قرآن میرِ کارواں چل بسا!

جب سے بابا جی ہم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے اس ہونی انہونی گھڑی کا سامنا ہمیں ذہنی پرابلم کے متعلق ہمیں سوچنا بھی گوارا نہ تھا۔ اپنی قیمتی زندگی کے آخری سالوں میں بابا جی درس قرآن دیتے ہوئے جب کبھی یہ کہتے کہ اب زندگی کی شام ہو رہی ہے قرآن کریم کی ان باتوں کو غور سے، پورے دھیان سے سنیں۔ ہو سکتا ہے دوبارہ انہیں بتلانے کا موقع نہ ملے تو ہمارے دل کانپ اٹھتے بے ساختہ ہماری زبان سے نکلتا اللہ آپ کی زندگی میں برکت دے کہ ہماری درماندہ قوم کو آپ ایسے میرِ کارواں کی بہت ضرورت ہے۔ لیکن قانون قدرت کو کس نے بدلا ہے اور کون بدل سکتا ہے۔ ہم ہزار چاہنے کے باوجود اپنے معلم مشفق کو سفر آخرت پر جانے سے روک نہیں سکے۔ ہماری دعائیں مستجاب نہیں ہوئیں۔ ۲۴ فروری ۸۵ء کی شام بلاوا آ گیا اور ہم ایسے مردِ حق شناس سے محروم ہو گئے جو کبھی صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

بابا جی کے بچھڑنے پر ان کے عزیز و اقارب کے علاوہ ان کے فیض یافتہ تمام شاگردوں طاہرہ بیٹیوں اور سلیم بیٹوں پر رنج و غم کی جو کیفیت طاری ہے وہ محتاج بیان نہیں اور اس سوگواری کے عالم میں اپنے تاثرات قلبی کو قلمبند کرنا بھی آسان نہیں لیکن میں سمجھتی ہوں کہ اگرچہ بابا جی اپنے جسد خاکی میں نہیں رہے لیکن جو بیش بہا کام وہ سرانجام دے گئے ہیں اور جو سرمایہ دین و دانش وہ عالم انسانیت کے لیے چھوڑ گئے ہیں اس پر موت کا کوئی دخل نہ ہو سکے گا اور یہ اس مردِ مومن کی حیاتِ جاوداں کا بین ثبوت ہے۔

ہم یہ بھی دل کی گہرائیوں سے محسوس کرتے ہیں کہ بابا جی کی یاد ہر ساعت ہمارے ساتھ ہے لیکن اس یاد کو آباد رکھنا اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم ان کے قرآنی مشن کو جاری و ساری رکھنے کی اپنی اولین ذمہ داری سے ہرگز پہلوتہی نہ کریں۔ بابا جی کہ جو غلام احمد پرویز تھے، کی زندگی کے وہ حاصلِ حیات پچاس سال جو انہوں نے قرآن کو خالصتاً قرآن کے ذریعے سمجھنے اور سمجھانے میں بسر کئے روشنی کی ایک واضح لکیر کی صورت میں ہمارے سامنے آتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کا جو حیات آفریں مفہوم اس میرِ کارواں کی فہم و فراست نے ہمیں سمجھایا۔ ہمارے اس دور میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ موجودہ زمانے کی علمی سطح کے حقائق کو بے نقاب کرنے والا وہ محقق جس نے ہمیں بتایا کہ مذہب کیا ہوتا ہے اور دین کسے کہتے ہیں یعنی یہ کہ اسلام خدا کے فرمان کے مطابق مکمل دین ہے انسان کا خود ساختہ مذہب نہیں وہ دین جس کا مقصود عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود ہے جو انسان کی علمی و عقلی صلاحیتوں کو جلا دینے کا موجب بنتا ہے جو اپنے ہر دعویٰ کو دلیل و برہان کے ساتھ پیش کرتا ہے جو انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ مبداءِ فیض کی کرم گستری سے ہمیں وہ مردِ راہ داں نصیب ہوا تھا۔ اس دورِ بے سوز میں ایسی ہستیٔ پرسوز میسر آئی تھی جس نے پچاس سال تک قرآن کریم کے انوار و اسرار کو فضا میں عام کیا۔ وحیٔ خداوندی کے تحت اپنی عقل و فکر کو بروئے کار لانے کا سبق ہمارے ذہن نشین کرنے کے لیے اس مخلص و شفیق رہبر نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ وقف رکھا۔ ہم میں سے کون اس حقیقت سے انکار کر

سکتا ہے کہ قرآنِ عزیز کی عظمت و صداقت ہمارے قلوب و اذہان میں اس وقت جاگزیں ہوئی جب ہمارے بابا جی نے اپنی طرز کے یکتا درسوں سے ہمارے دل و دماغ کے بند دریچے کھول دیئے۔ اس مرحوم و مغفور نے جس جس طرح ایک ایک لفظ کے معانی کے جوہر قرآن پایاب ہمیں عطا کئے ہیں کیا اس سے بڑھ کر ہمارے لیے کوئی سامانِ زیست ہو سکتا ہے؟ جب یوں قرآن خود اپنی تشریح آپ کرتا ہوا ہمارے سامنے آ جائے تو پھر کون سوختہ سامان ہوگا جو قرآن کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کرے! کیا یہ سچ نہیں کہ کلام اللہ کے مفہوم کا ایسا نکھرا اور ابھرا ہوا سیدھا دلوں میں اتر جانے والا انداز ہمیں... پرویز اور صرف پرویز نے دیا ہے جو ہر درس میں ہمیں یاد دلاتے رہے کہ قرآن کا ایک ایک لفظ غور طلب ہوتا ہے۔ قرآن کے لفظوں پر سے یونہی نہ گزر جایا کرو کیونکہ اس کا ہر لفظ رک کر سوچنے اور سمجھنے کا تقاضا کرتا ہے۔ اس مردِ دانا و بینا کی زندگی کا مشن ہی یہ تھا کہ مسلمان قرآن کریم کو براہِ راست سمجھنے لگ جائیں۔ اس دیدہ ور عاشقِ قرآن کی عمر بھر کی خارا شگافی اور دن رات کی محنت شاقہ نے ہمیں کیا کچھ نہیں دیا۔ ۲۲۔ ۲۳ برس تک وہ درسِ قرآن دیتے رہے۔ ہم سے بڑھ کر بھی کوئی خوش نصیب ہوگا کہ پورا قرآن اپنے واضح تر روشن تر مفہوم کے ساتھ ہمارے سینوں میں اتر چکا ہے۔ ایک ہی دفعہ نہیں دو دفعہ ہم نے یہ فیضان حاصل کیا۔ ہر درس نئے نکات کا حامل، ہر درس نئے معارف کا گرہ کشا رہا۔ ہمیں کبھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ کسی فرسودہ سبق کا اعادہ ہو رہا ہو یا کسی واعظ کا وعظ ہمیں بور کر رہا ہو کیا ہم یہ بھول سکتے ہیں کہ یہ درس بابا جی کے بیان کردہ برمحل اشعار، ایسی لطائف اور بصیرت افروز حقائق سے کیسے پھولوں کی طرح شگفتہ اور تر و تازہ ہوا کرتے تھے۔ کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا کہ بابا جی درس دے رہے ہوں اور دل نے یہ نہ چاہا ہو کہ درس کا یہ وقت ختم نہ ہو۔ بابا جی ان قرآنی موتیوں سے ہماری جھولیاں بھرتے جائیں۔ ان درسوں کے علاوہ اس محترم ہستی کی مدت العمر کی کاوشوں کا دامن یہاں سے وہاں تک آسمانِ دین و حکمت پر ستاروں کی طرح چمکتی ہوئی ان کی بیسیوں ضخیم تصانیف، ہزاروں صفحات طلوعِ اسلام، سینکڑوں خطابات و تقاریر۔ اس جویائے صراطِ مستقیم نے معارف القرآن سے شروع کر کے تبویب القرآن اور مطالب الفرقان تک پہنچایا۔ وہ اس تابندہ و پائندہ راستے ہیں۔ اس مفکرِ قرآن نے اپنی جن تصنیف کردہ کتابوں سے ہماری راہنمائی کی ان سے کون واقف نہیں۔ پیرانہ سالی تک پہنچ جانے کے باوجود فکرِ قرآنی کے راستے کے موانعات دور کرنے کے لیے ان کی جواں ہمتی، جگر سوزی اور نفس گدازی میں کبھی شمہ بھر کمی نہ آئی۔ شاید قارئین طلوعِ اسلام کو یاد ہو کہ ماہ جولائی ۷۹ء کے طلوعِ اسلام میں بابا جی نے عمرِ عزیز کے ۷۵ سال پورے ہونے پر "ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا" کے عنوان سے اپنے تاثرات رقم کئے تھے۔ اس تحریر دلپذیر کا ایک اقتباس اس موقع پر پیش کرنا چاہتی ہوں کہ اسے پڑھ کر ہم اپنے غمزدہ دلوں پر مرہم رکھ سکتے ہیں اور از سرِ نو بلند حوصلگی اور عزمِ صمیم کے ساتھ راہِ عمل اختیار کر سکتے ہیں۔ بابا جی نے لکھا تھا "یہ کچھ میں نے کیسے کر لیا۔ سچ پوچھیے تو منطقی توجیہات سے اس کا کوئی اطمینان بخش جواب میں خود بھی نہیں دے سکتا۔ میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ کوئی بے صوت اَن دیکھی صدا مجھے بلاتی گئی اور میں دیوانوں سے بیگانہ والہانہ طور پر اس کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس میں تھکا تو ایک طرف میں کبھی سستانے کے لیے بھی نہیں رکا۔ بجز ان لمحات کے جن میں میں (علالت وغیرہ کی وجہ سے) بالکل معذور ہی نہ ہو گیا ہوں۔ میں نے اپنے اوقات کا ایک ایک لمحہ اس کے لیے وقف رکھا۔ اس آواز میں کوئی ایسا سحر تھا کہ میں رک سکتا ہی نہیں تھا۔ یہ آواز خدا کی کتاب عظیم قرآنِ کریم کی تھی جس کے ساتھ میرا قلبی لگاؤ عشق کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ اس میں کوئی عنصر فوق الفطرت نہیں دیکھنا چاہیے نہ ہی مجھے اس کا کوئی دعویٰ ہے۔ میں نے اس تذکرہ کو اس لیے ضروری سمجھا ہے

کہ جو منجّس قلوب میرے اس حاصلِ کشت کو حیرت کی نگاہوں سے دیکھیں ان پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اس میں کوئی بات غیر معمولی یا فوق البشر عنصر نہیں۔ انسان کے اندر اتنی بے پناہ صلاحیتیں مضمر ہیں جن کا انہیں خود بھی علم و احساس نہیں ہوتا اگر کسی مقصد کے ساتھ عشق کی حد تک لگاؤ پیدا ہو جائے تو یہ صلاحیتیں خود بخود کارفرما ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور ان کا سلسلہ لاانتہا ہوتا ہے اس لیے جو کچھ میں نے کیا ہے (بلکہ اس سے بھی زیادہ) ہر شخص کر سکتا ہے بشرطیکہ اپنے مقصد کے ساتھ عشق ہو۔" ہمارے لیے سوچنے کی بات ہے کہ جس قوم کے افراد کو ایسا صاحبِ نگہ حقیقت شناس عاشقِ قرآن بطور رہنما ملا، کیا وہ افراد اپنے سوختہ بخت اور حرماں نصیب معاشرے کی خود ساختہ تقدیر نہیں بدل سکتے؟ یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے ہے کہ ہمارے بابا جی نے اپنی یتیم بیٹوں کی طرح اپنی طاہرہ بیٹیوں کو بھی کس طرح اپنے سایہ عاطفت تلے رکھا۔ انہوں نے عورت کے مقام انسانیت کو قرآن کریم کی روشنی میں جس طرح واضح کیا اسکی مثال نہیں ملتی۔ بابا جی نے اپنی طاہرہ بیٹیوں کے معاشرتی مسائل کو بصیرت قرآنی کے ذریعے حل کر کے انہیں معاشرے میں خود اعتمادی اور وقار کے ساتھ جینا سکھایا۔ ان کی یہ محبت اور شفقت کبھی بھلائی جا سکتی ہے؟ یہ تھے ہمارے بابا جی جنہوں نے مفوضہ فرائضِ زندگی کو بطریق احسن پورا کیا جو عمر بھر مومنانہ نصب العین حیات کی برومندی کے لیے سعی مسلسل کرتے رہے۔ جن کی خالصتاً قرآن کی طرف بلانے والی اپنے زمانے کی تنہا آواز تمام طالبانِ حق کی آواز بن کر چار سو عالم میں پھیل گئی۔ ہم سب جانتے ہیں اور ایک دنیا جانتی ہے کہ غلام احمد پرویزؒ نے کس کس طرح باطل کے وار سہے اور مذہبی پیشواؤں کے لگائے ہوئے کفر کے فتووں کے زخم کھائے لیکن اس کے جواب میں وہ کبھی پیشانی پر بل نہیں لائے خاموشی سے قرآنی حقائق و معارف کی روشنی پھیلانے میں منہمک رہے کہ وہ جانتے تھے کہ ظلمت کے اندھیرے روشنی کی کرنوں سے خود بخود فنا ہو جاتے ہیں وہ کبھی حق کے غالب رہنے کی طرف سے مایوس نہیں ہوئے۔ مومن کبھی مایوس ہو نہیں سکتا کہ مایوسی اور ایمان کا آپس میں کوئی تعلق ہی نہیں۔ حالات کے بگاڑ سے اگر ہم پر کبھی مایوسی طاری ہوتی تو بابا جی فرماتے "ہم لوگ وقت کو اپنے خود ساختہ پیمانے سے ناپتے ہیں اس لیے مایوس ہو جاتے ہیں۔ خدا کے نزدیک ہمارا یہ وقت کچھ معنی نہیں رکھتا۔ اس کے قانون کے مطابق حق کبھی مٹ نہیں سکتا۔ باطل اسے ہزار دبانے کی کوشش کرے حق بالآخر ابھر کر نکھر کر غالب آ کر رہتا ہے۔"

اپنی نجی زندگی میں ہمارے بابا جی نہایت سادہ اور درویش منش انسان ہونے کے باوجود بہت نفیس مزاج اور ذوقِ جمال رکھنے والے تھے ان کا ظاہر و باطن ایک تھا گھر میں ہوتے یا احباب کی محفل میں خوش مزاقی بذلہ سنجی اور ظریف الطبعی کے جوہر ان کی طبیعت کے نمایاں عناصر تھے۔ وہ اقبالؒ کے اس مردِ مومن کا زندہ پیکر تھے۔ جس کے متعلق انہوں نے کہا تھا ؎

جس کی اُمیدیں قلیل، اسکے مقاصد جلیل | اسکی ادا دلفریب اسکی نگہ دلنواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو | بزم ہو یا رزم ہو پاک دل و پاکباز

اور آخر میں یہ کہ بابا جی اپنے وجود کی صورت میں ضرور ہمارے پاس سے جا چکے ہیں۔ لیکن وہ اپنی زندہ جاوید تحریروں اور اپنی منفرد آواز کے ساتھ اب بھی ہمارے درمیان موجود ہیں اور ہمیں یہ بڑی خوش قسمتی حاصل ہے کہ ہم گئے دنوں کی طرح اب بھی ہر جمعے کی صبح (بابا جی کے عکسی پیکر کے ساتھ ان کی اپنی آواز میں) درسِ قرآن سے فیض یاب ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

بابا جی! آپ کی ثریا بیٹی آپ سے وہ آخری ملاقات کبھی بھول نہ پائیگی جب ہم تین بیٹیاں (میں نغمی اور تسنیم) آپ سے آپ کی عیادت کرنے گئی تھیں۔ اس وقت آپ نے کمزور آواز میں ہم سے باتیں کیں اور بات کرتے ہوئے کرب کی حالت میں بھی اپنے جذبات کی ترجمانی اس شعر میں کی ؎

؎ محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے تیری محفل میں لیکن ہم نہ ہوں گے

آپ کی زبان سے یہ آخری شعر سن کر ہمارے دل سخت بے چین ہو اٹھے۔ ہم نہیں جانتی تھیں کہ ہماری آپ سے یہ آخری گفتگو ہے۔ آپکا وہ اندر دگیں لب ولہجہ میری سماعت سے ٹکراتا ہے تو بے کل ہو جاتی ہوں۔ ہمارے بابا جی! آپ سی پدرانہ محبت آپ کی قرآنی طاہرہ بیٹیوں کو کہیں اور سے نہیں مل سکتی۔ آپ کی سی مخلصانہ شفقت آپ ہی کے ساتھ رخصت ہو گئی۔ آپ نے جس طرح ہماری قلبی و ذہنی تربیت کی یہ اسی کا اعجاز ہے کہ اب باطل کا ہر خوف ہمارے دلوں سے مٹ چکا ہے اور ہم حق کے سامنے میں زندگی کو حسین کارانہ انداز سے بسر کرنے کے قابل ہو گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے عظیم مشن کے حوالے سے ہمیں اپنی اہم ذمہ داریاں پوری کرنے کی توفیقِ صدیق عطا کرے (آمین)

ہزاروں رحمتیں ہوں ربُ العالمین کی آپ کی ذاتِ ستودہ صفات پر جو اپنی عارضی زندگی سے نکل کر دائمی زندگی میں داخل ہو چکی ہے

راقمہ
ثریا عندلیب
۱۳ مارچ ۱۹۸۵ء

طاہرہ کے نام خطوط

پرویز صاحب کے خطوط کا سلسلہ ہماری تعلیم یافتہ نئی نسل میں بڑا مقبول ہُوا ہے اور ان کے قلب و دماغ میں جو صحیح انقلاب آیا ہے اسکا بیشتر حصہ انہی خطوط کا رہینِ منت ہے۔ سلیم کے نام خطوط (تین جلدوں میں) نوجوان طلباء کے نام ہیں اور طاہرہ کے نام، طالبات کے لئے جس میں بالخصوص عورتوں سے متعلق مباحث کو قرآن مجید اور علومِ حاضرہ کی روشنی میں سلجھایا گیا ہے۔ یہ سلسلہ خواتین کے حلقہ میں بڑی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور انہوں نے اسے بڑا مفید پایا ہے۔ قیمت -/۱۰ روپے علاوہ محصول ڈاک

(۱) مکتبہ دین و دانش، چوک اردو بازار لاہور

(۲) ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵/بی گلبرگ ۲۔ لاہور

مردِ راہ داں باباجی کے بچھڑنے پر

ثریا عندلیب

(۱)

وہ اک شخص کہ جو پرویز تھا
فکرِ قرآنی سے جس کا
دامنِ دل لبریز تھا
متلاشیانِ حق کے لیے
لاریب وہ اک مہمیز تھا

(۲)

اخلاص و احترام سے ہم
کہتے تھے جس کو باباجی
بصیرتِ فرقانی نے جس کی
قلب و ذہن کو ہمارے
نئی سوچ کی راہ دکھائی

(۳)

وہ اک شخص کہ جو صاحبِ ایمان تھا
اوڑھنا بچھونا جس کا درسِ قرآن تھا
اک اک حرف ہر ہر لفظ
قرآنِ حکیم و عظیم کا
خود سمجھتا تھا ہمیں سمجھاتا تھا

(۴)

وہ اک شخص کہ جس نے
کتابِ مبین کی روشنی سے
فہم و ادراک کے در کھولے
تقلید کے زنگ کو صاف کیا
جمود کے بتوں کو توڑ ڈالا

(۵)

وہ اک شخص کہ جس نے
قرآں میں ہو کے غوطہ زن
حقائق کی سیپیاں نکالیں
چار سو موتی چمک اُٹھے
ان جواہر پاروں سے
جھولیاں ہم نے بھر لیں

(۷)

پرویز کہ جس کی فکرِ قرآنی کا ماحصل
خطابات اُس کے تصنیفات اُسکی
تاباں ہیں مثل گوہر ہائے آبدار
پچاس برسوں کا احاطہ کئے ہوئے
اسکے تفکّر و تدبّر کے انمول شاہکار

(۶)

وہ اک شخص کہ جو معلّمِ مشفق تھا
ذہن رسا جس کا اور دل صادق تھا
مذہبی سازشوں کے پردے
اس دیدہ ور نے چاک کیئے
دین کی حقیقت وا کی
دین کی مسند بالا ہوئی

(۸)

وہ اک شخص کہ پرویز تھا
دراصل مردِ درویش تھا
سادہ مگر شگفتہ زندگی اس کی
سیرت و کردار کے جلو میں
نشو و نما پاتے ہوئے
ارتقا کے زینے چڑھتے ہوئے
رواں دواں آگے بڑھ گئی

منظومِ بیاد

غلام احمد پرویز

عبد العزیز خالد ۔ اسلام آباد

ہو گیا رخصت بساطِ تنگنائے دہر سے
ہو گیا رخصت بساطِ تنگنائے دہر سے
اک خدا آگاہ و روشن فکر مردِ خودنگر سے

دانش و بینش کا پیکر، پُر بہار و خوش صفات
کلک و قرطاس و لبِ اظہار جس کی کائنات
اک ادارہ، ایک تحریک، اک مشن تھی جس کی ذات
شمع رکھی جس نے روشن فکرِ قرآنی کی تا حینِ حیات

طعنے گمراہی کے سنتا، وار بدنامی کے جو سہتا رہا
بات اپنے دل کی بیباکی سے لیکن برملا کہتا رہا
مُہرِ خاموشی لگی خوفِ فسادِ خلق سے
جس کے ہونٹوں پر نہ پل بھر کے لیے

دیکھیوں نہ ہو جدت پسندی کو اِبا تقلید سے
کیا دماغِ نکتہ پرور کور مغزوں سے ڈرے؟

جہل فتوے جس کے کفر و قتل کے دیتا رہا
کشتیٔ عمرِ رواں جو بحرِ ہیبت ناک میں کھیتا رہا
قرضِ مرگِ ناگہاں سے روز جو نقدِ نفس لیتا رہا

زندگی بھر تنگ ظرفی سے کیا جس نے نباہ
اک زمانہ جس کے عزم و استقامت کا گواہ
بے گناہی کے سوا کیا تھا بھلا اُس کا گناہ؟
تھی بقولِ محرماں اس کو نہ حرصِ مال و جاہ
باوجودِ بے نوائی بے محابا، بے پناہ
کچھ نہ رکھتا تھا وہ اقبالی قلندر
جُز دو حرفِ لا اِلٰہ

کوہکن کی جس میں پامردی، یہ وہ پرویز تھا
اور اسی باعث تھی شیریں خرد اس پہ فدا
صاحبِ فرہنگ، اندیشہ سگالے، عاقلے
کہتے تھے جس کے عقیدت مند "باباجی" اُسے

وہ وفاداری بشرطِ استواری کی مثال
عمر بھر کی بے قراری کا ثمر جس کا کمال
تھے بہم جس میں مذاقِ منطق و ذوقِ جمال

آگہی کی اک فروزاں شمع تھی جو بجھ گئی
آہ بیدردی تری! اے زندگی! اے زندگی

نذرانۂ عقیدت

بحضور علامہ غلام احمد پرویز رحمۃ اللہ علیہ

الوداع اے جذبۂ بیدارِ فطرت الوداع
الوداع اے شارحِ اسرارِ قرآنِ مجید
الوداع اے عاملِ حریّتِ دینِ متین
الوداع اے پیروِ خُلقِ عظیم و بے نظیر
الوداع اے صاحبِ عزمِ صمیم بے عدیل
الوداع اے داعیٔ احیاءِ دینِ مصطفٰےؐ
اک جہالت نے ہمیشہ کفر کا فتویٰ دیا
"دین" اور "مذہب" میں تھا جو فرق وہ بتلا دیا
تو ہمیشہ "دعوتِ اسلام" ہی دیتا رہا
تیری پرویزی میں بھی اک شانِ درویشانہ تھی
السلام اے راکبِ راہوارِ تحریر و قلم
السلام اے صاحبِ فکر و نظر، علم و عمل
السلام اے جاں نثارِ رحمۃٌ للعٰلمینؐ
السلام اے گوہرِ تابندۂ عالم فروز

الوداع اے خیر خواہِ خیرِ اُمّت الوداع
الوداع اے ترجمانِ علم و حکمت الوداع
الوداع اے درسِ آموزِ اخوت الوداع
الوداع اے پیکرِ افزایِ سیرت الوداع
الوداع اے دیدۂ بینائے ملت الوداع
الوداع اے رہبرِ راہِ شریعت الوداع
لیکن اُس طوفان سے بھی نہ بجھ سکا تیرا دیا
"مذہبیت" کے ہر اک افسوں کو بھی جھٹلا دیا
"دین" کے دریا میں اپنی ناؤ کو کھیتا رہا
پیکرِ تسکین میں اک روح بیتابانہ تھی[1]
اے خطیبِ مصدرِ زورِ خطابت السلام
دین کے اسرار کی زندہ فراست السلام
اے حکیمِ معنیٔ ختمِ نبوّت السلام
اے فروغِ نورِ چشمِ آدمیت السلام

"آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے"

خالد مسعود فوزی الہاشمی
۔ کسوکی گجرات

---

[1] بااضطرابِ موج، سکونِ گہر بدہ ۔ (علامہ اقبالؒ)

یہ آئینہ ہے

ھا

آئیے آج کی نشست میں ہم جذبات سے یکسو ہو کر، خالص واقعاتی انداز سے، ایک ایسے مسئلہ پر غور و فکر کریں، جس کا تعلق، ہماری حیاتِ اجتماعیہ کی شاخوں اور پتوں سے نہیں، بلکہ اس کی جڑ اور بنیاد سے ہے۔

قرآن کریم میں، حضرات انبیاء کرامؑ کی بعثت کی غرض و غایت، دو آیات میں یوں بیان کی گئی ہے کہ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا (۱۰/۱۹) تمام نوعِ انسان، ایک برادری (امتِ واحدہ) تھے۔ اس کے بعد انہوں نے باہمی اختلاف کیا تو فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کو مبعوث فرمایا جو انہیں اتحاد و ائتلاف کی زندگی کے خوشگوار نتائج کی بشارت دیتے تھے۔ اور اختلاف و تفرقہ کے تباہ کن عواقب سے آگاہ کرتے تھے۔ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ۔ انبیاءؑ کے ساتھ خدا، اپنی کتاب — ضابطۂ ہدایت نازل کرتا تھا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ جن معاملات میں لوگ اختلاف کریں، ان کا فیصلہ اسی ضابطہ کی رو سے کر دیا جائے۔ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ۔ لیکن انبیاء کے جانے کے بعد وہی لوگ جنہیں وہ کتاب دی جاتی، باہمی ضد اور ایک دوسرے پر غالب آ جانے کے جذبہ کی بنا پر اس میں اختلاف پیدا کر دیتے۔ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ۔ جو لوگ اپنے ایمان پر پختہ ہوتے، انہیں ان اختلافات کی تاریکیوں میں بھی اتحاد و ائتلاف کی راہ دکھائی دے دیتی۔ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۲/۲۱۳) اور یہ چیز کسی خاص گروہ، خاص قوم، خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص و محدود نہیں۔ خدا کی کتاب موجود ہو، تو جو بھی چاہے، اس سے زندگی کی سیدھی اور ہموار راہ کی طرف راہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔

انبیاء کی بعثت کا مقصد ان دو آیات میں، سارا پروگرام نکھر اور ابھر کر سامنے آ جاتا ہے یعنی :-

۱۔ زندگی کے ابتدائی دور میں، انسان ایک برادری (امتِ واحدہ) کی شکل میں رہتے تھے۔ ان میں کوئی گروہ بندی نہ تھی، تفرقہ نہیں تھا، اختلاف نہیں تھا۔

۲۔ بعد میں، انفرادی مفاد پرستیوں اور گروہ بندانہ تعصب پسندیوں نے، اس برادری میں تفرقے

پیدا کر دیئے، اور انسانیت ٹکڑوں میں بٹ گئی۔

۳۔ ان میں پھر سے وحدت پیدا کرنے کے لئے، خدا نے سلسلۂ رشد و ہدایت جاری کیا۔ ایک نبی آتا۔ اپنے ساتھ ضابطۂ حیات لاتا۔ اس ضابطہ کی رُو سے، تمام اختلافی امور کے فیصلے ہوتے اور اس طرح ایک ایسی اُمت کی تشکیل ہو جاتی جس میں کوئی تفرقہ، کوئی اختلاف نہ ہوتا۔

۴۔ نبی کے چلے جانے کے بعد، خود اس کتاب کے نام لیواؤں میں گروہ بندانہ مفاد و تخلیب کے جذبات ابھرتے اور ان میں اختلافات پیدا ہو جاتے۔ اس کے بعد پھر ایک نبی آتا اور ان کے اختلافات رفع کر کے، امتِ واحدہ کی تشکیل کر دیتا۔

۵۔ اس امت کی اساس، ضابطۂ خداوندی کی صداقت و محکمیت پر ایمان، اور عملاً اس اقرار و اعتراف پر تھی کہ ہم اپنے تمام اختلافی معاملات کا حل اس ضابطہ کی رُو سے دریافت کیا کریں گے۔ خود اس ضابطہ میں اس امر کی صلاحیت ہوتی تھی کہ وہ تمام اختلافی امور کا نہایت اطمینان بخش حل دے دے۔

۶۔ تشکیلِ اُمت کے اس طریق کا نام، آج کی اصطلاح میں، آئیڈیالوجی کے اشتراک کی بنا پر قومیت کی تعمیر ہے۔ یعنی رنگ، نسل، زبان، وطن وغیرہ کے تمام اختلافات سے بلند ہو کر، خالص آئیڈیالوجی کے اشتراک سے ایک امت (یا قوم) کی تشکیل۔

تشکیلِ امت کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا لیکن چونکہ ازمنۂ قدیم میں وسائلِ رسل و رسائل بہت کم، اور ذرائع مواصلات محدود تھے، اس لئے اس قسم کی اُمتیں محدود علاقوں میں متشکل ہوتی تھیں۔ اس کے بعد جب دنیا ایک نئے دَور میں داخل ہونے کے قریب آئی تو رشد و ہدایت کے اس سلسلۂ دراز کی آخری کڑی حضور نبی آخرالزمانؐ کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ آپؐ کے متعلق اعلان کر دیا گیا کہ آپؐ کی رسالت کسی خاص قوم، خاص ملک سے محدود، اور کسی خاص زمانہ تک محدود نہیں۔ آپؐ رسولؐ کافۃ للناس ہیں۔ یعنی تمام نوعِ انسان کی طرف رسول۔ اور جو ضابطۂ ہدایت (قرآنِ کریم) آپ کی وساطت سے بھیجا جا رہا ہے، وہ ذکر للعالمین ہے

امتِ محمدیہؐ کی تشکیل

یعنی تمام اقوامِ عالم کے لئے دستورِ حیات۔ اس ضابطہ کی بنیادوں پر یعنی آئیڈیالوجی کے اشتراک سے، حضورؐ نے ایک امت کی تشکیل فرمائی جس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں تھا۔ کوئی افتراق نہیں تھا۔ اس میں کوئی مذہبی فرقہ نہیں تھا، کوئی سیاسی پارٹی نہیں تھی۔ نہ ان میں عقائد کا کوئی اختلاف تھا نہ نظریات کا تفاوت۔ نہ ان کی منزلیں الگ الگ تھیں نہ راستے جدا جدا۔ ایک منزل، ایک راستہ، ایک کارواں، اور اس کارواں کا ایک قائد۔ جو اختلافی معاملہ ان کے سامنے آتا اس کا حل قرآن سے دریافت کر لیا جاتا۔ وہ اس طرح کہ:۔

۱۔ اس اُمّت سے کہہ دیا گیا تھا کہ :۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ط ۔۔۔ (۴۲/۱۰)

جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو، اس کے فیصلے کے لئے خدا کی طرف رجوع کرو۔

۲۔ لیکن خدا تو ایک بسیط حقیقت ہے۔ اس کی طرف رجوع کیسے کیا جائے۔ اس کے لئے اس نے خود ہی کہہ دیا کہ خدا کی طرف رجوع کرنے کا عملی طریق یہ ہے کہ خدا کی کتاب کی طرف رجوع کیا جائے۔ چنانچہ اس نے کفر اور ایمان کا خطِ امتیاز ہی یہ بتایا کہ :۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝ (۵/۴۴)

جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے انہیں کو کافر کہا جاتا ہے۔

خود اس کتاب کے متعلق کہہ دیا کہ "اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں" (۴/۸۲) اس میں کوئی ابہام نہیں۔ کوئی پیچیدگی نہیں۔ اس میں ہر بات صاف اور واضح طور پر بیان کر دی گئی ہے۔ یہ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہے۔ (۱۶/۸۹) "ہر بات کو کھول کھول کر بیان کر دینے والی" ـــــ "مکمل بھی ہے اور غیر متبدل بھی" (۶/۱۱۵)

۳۔ لیکن کتاب تو حروف و نقوش کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اس سے فیصلہ کیسے لیا جائے؟ اور اگر اس سے فیصلہ لے بھی لیا جائے تو اُسے پوری اُمّت پہ نافذ کس طرح کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے کسی محسوس اتھارٹی کی ضرورت ہوگی۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ رسول کی موجودگی میں اس قسم کی اتھارٹی اس کے سوا اور کون ہو سکتی تھی؟ اس لئے بھی کہ اس اتھارٹی کی بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ وہ أَتْقَاكُمْ ہو۔ (۴۹/۱۳) تم میں سب سے زیادہ تقوی شعار" ـــــ یعنی قوانینِ خداوندی کا پابند ـــــ اور اُمّت میں، رسول سے بڑھ کر تقوی شعار اور کون ہو سکتا تھا" اس لئے رسول اللہ سے کہہ دیا گیا کہ : فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ (۵/۴۸)

تم ان میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کیا کرو۔

۴۔ ان فیصلوں کے سلسلہ میں، رسول اللہ سے یہ کہہ دیا گیا کہ : وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (۳/۱۵۸)

اسلامی نظام

فیصلہ طلب امور میں اپنے رفقاء سے مشورہ کر لیا کرو۔ اس سے ایک نظام وجود میں آ گیا جسے دورِ حاضرہ کی اصطلاح میں نظامِ مملکت کہا جاتا ہے۔

اس نظام کے امتیازی خطوط یوں سمجھئے کہ :۔

(۱) ایک اُمّت (قوم) تھی جس میں الگ الگ فرقے تھے نہ پارٹیاں۔

(۲) اس اُمّت کی ایک مملکت تھی جس کا ایک ہی سنٹر تھا۔ دورِ حاضرہ کی اصطلاح میں یوں سمجھئے کہ اس مملکت کی حکومت وحدانی طرز (UNITARY FORM) کی تھی جس میں مرکز ایک ہوتا ہے۔

(۳) اس مرکز کا ایک سربراہ تھا اور اس کی مجلسِ مشاورت۔

(۱۳) امورِ مملکت کے فیصلوں کے لئے قرآن، دستور العمل تھا۔ اسی کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل تھا یعنی مملکت کی (SOVEREIGN AUTHORITY) قرآن تھا ـــــ نہ عوام، نہ پارلیمان، نہ سربراہِ مملکت۔ قرآن کے اسی اقتدارِ اعلیٰ کا نام حکومتِ خداوندی تھا۔

(۱۴) جو فیصلہ قرآنِ کریم کی روشنی میں، باہمی مشاورت کے بعد، سربراہِ مملکت کی طرف سے نافذ کیا جاتا ـــــ اس کا اطلاق تمام افرادِ امت پر یکساں ہوتا اس میں نہ عبادات اور معاملات میں کوئی فرق تھا ـــــ نہ پرسنل لاز اور پبلک لاز کی کوئی تفریق ـــــ نہ الگ الگ مسجدیں[۱] تھیں، نہ الگ الگ جماعتیں، نہ الگ الگ روایتیں تھیں نہ الگ الگ فقہیں، نہ الگ الگ احکام تھے نہ الگ الگ حکومتیں۔ ایک خدا، ایک قرآن، ایک رسول، ایک امت ایک مملکت، ایک حکومت، ایک قانون۔ اسی کا نام تھا اسلام۔

تفرقہ شرک ہے

اس نظام کی تشکیل کے بعد امت سے کہہ دیا کہ تم نے دیکھ لیا ہے کہ رنگ، نسل، زبان، اوطان کے اختلافات سے بلند ہو کر، کس طرح آئیڈیالوجی کے اشتراک سے، تم میں عملاً وحدت پیدا کر دی گئی ہے۔ اسی کا نام توحید ہے۔ اگر تم میں تفرقہ پیدا ہو گیا تو تم موحد نہیں رہو گے، مشرک ہو جاؤ گے۔ لہٰذا اس کی سخت احتیاط برتو کہ،

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۔ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۔ (۳۰/۳۱-۳۲)

ترجمہ:۔ تم (ایک امت بننے کے بعد پھر سے) مشرکین میں سے نہ ہو جانا۔ یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر دیا اور ایک گروہ بن کر بیٹھ گئے۔ گروہ سازی میں کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے گروہ بندانہ نظریات پر مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور باقی سب باطل پر ہیں۔

واضح رہے کہ یہاں جو کہا گیا ہے کہ دین میں تفرقہ نہ پیدا کر لینا، تو اس سے مذہبی فرقے ہی مراد نہیں بلکہ مذہبی، سیاسی، تمدنی، معاشرتی، ہر قسم کی تفریق مراد ہے۔ اس لئے کہ قرآن کی رُو سے، مذہب اور سیاست یا دین اور امورِ دنیا میں کوئی فرق نہیں۔ لہٰذا، امت

---

[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، منافقین نے "خدمتِ دین" کی آڑ میں، ایک الگ مسجد تعمیر کر دی تھی۔ خدا نے فوراً حکم بھیج دیا کہ جس مسجد سے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہو، وہ مسجد نہیں، خدا اور رسولؐ کے خلاف جنگ کرنے والوں کی کمین گاہ ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد کو جلا دیا تھا

واحدہ میں ہر قسم کا تفرقہ، (قرآن کی نصِ صریح کی رو سے) شرک ہے۔

اس کے سامنے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا کہ: إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ... (۶/۱۶۰) جو لوگ اپنے دین میں تفرقہ پیدا کرلیں اور وہ ایک گروہ بن بیٹھیں، اے رسول! تیرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ اور اس امر کا اعلان کر دیا کہ اگر تم باہم تفرقہ اور اختلاف پیدا ہوگیا تو تم خدا کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ (۳/۱۰۲)

اس طرح رسول اللہؐ نے وحدتِ اُمّت کا ایک عملی نظام پیدا کر دیا۔ یہ نظام درحقیقت وحدتِ انسانیت کے عالمگیر پروگرام کی پہلی کڑی تھا۔ اسی لئے اس وحدت کی مظہر امت کو امتِ وسطیٰ (۲/۱۴۳) "ایک مرکزی جماعت" اور شہداء علی الناس (۲/۱۴۳) تمام نوعِ انسان کے اعمال کی نگران کہہ کر پکارا گیا۔

اسلام کے اس نظام کی وسعتیں تو زمان اور مکان کی حدود سے ماوراء تھیں، لیکن اس میں ایک کڑی ایسی تھی جس کی حیاتِ ارضی بہرحال محدود تھی۔ یہ کڑی تھی خود نبی اکرمؐ کی ذاتِ گرامی۔ آپؐ کے متعلق یہ کہہ کر وضاحت کر دی کہ:

رسول اللہؐ کے بعد

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝ (۳/۱۴۴)

محمدؐ اس کے سوا نہیں کہ خدا کا ایک پیغام رساں ہے۔ اس سے پہلے بھی بہت سے پیغام رساں خداوندی آئے اور اپنی حیاتِ ارضی پوری کر کے دنیا سے چلے گئے۔ اگر کل کو رسول بھی اپنی طبعی موت مرجائے یا قتل کر دیا جائے، تو کیا تم، یہ سمجھ کر کہ یہ نظام تو اس کی ذات سے وابستہ تھا، پھر سے قبل از اسلام نظامِ زندگی کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ جو تم میں سے ایسا کرے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ خدا کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ اور جو اس کے مطابق زندگی بسر کر کے، شکر گزارِ نعمتِ خداوندی ہوگا، اسے اس کے حسنِ عمل کا صلہ ملے گا۔

اس سے قرآنِ کریم نے واضح کر دیا کہ اسلام کا نظام، حضورؐ کی زندگی تک ہی محدود نہیں تھا، اسے آگے بھی چلنا تھا۔

رسول اللہؐ کی وفات کے بعد یہ نظام، اسی طرح قائم رہا۔ ایسا تسلیم کرنے کی ہمارے پاس دلیل یہ ہے کہ رفقائے رسول اللہؐ کے متعلق قرآنِ کریم میں ہے کہ وہ (مہاجرین ہوں یا انصار) مومن حقا تھے۔ (۸/۷۴) اور حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کے پیرو۔ اس لئے مومنینؓ کی

جو صفات و خصوصیات قرآنِ کریم نے بیان کی ہیں وہ ان کے حامل تھے۔ اور مومنین کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ آپس میں بھائی بھائی، اور باہمی محبت کے پیکر ہوتے ہیں۔ وہ اسلامی نظام کے قیام و استحکام کے لئے جیتے اور اسی کے لئے مرتے ہیں۔ صحابہ کبارؓ کے زمانے میں چونکہ اسلامی نظامِ مملکت علیٰ منہاجِ رسالت قائم تھا اس لئے اُمت کی وحدت بھی قائم تھی۔ ان میں کسی قسم کا تفرقہ نہیں تھا۔ یعنی اُمت میں کوئی فرقہ پیدا نہیں ہوا تھا______ اس لئے کہ (جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں) قرآن کریم نے تفرقہ کو شرک قرار دیا ہے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ جن حضرات کو قرآن، مومن حقا کہہ کر پکارے وہ (معاذاللہ) مبتلائے شرک ہو جائیں۔

اس مقام پر ایک اہم نکتہ کی وضاحت ضروری ہے۔

تاریخ کی حیثیت

صحابہ کبارؓ کے متعلق جو کچھ ہماری تاریخ میں آیا ہے اسے آنکھیں بند کر کے، قبول نہیں کر لینا چاہیئے۔ یہ تاریخ، اس دور سے اڑھائی تین سو سال بعد زبانی روایات کی بنا پر مرتب ہوئی تھی اور یہ وہ زمانہ تھا جب اُمت کی گاڑی، اسلامی نظام کی پٹڑی سے اتر کر ملوکیت کے راستے پر پڑ چکی تھی۔ عہدِ رسالت مآبؐ اور دورِ صحابہؓ سے متعلق تاریخ کے ردّ و قبول کا معیار قرآنِ کریم کو قرار دینا چاہیئے۔ اس (تاریخ) میں ان حضرات کے متعلق جو کچھ آیا ہے، اگر وہ اس سیرت و کردار کا مظہر ہے جسے قرآن نے مومن کا شعار قرار دیا ہے تو اسے صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اگر وہ اس کے خلاف ہے تو اس تاریخی بیان کو دیوار پر دے مارنا چاہیئے۔ اس لئے کہ اسے صحیح تسلیم کرنے سے قرآنِ کریم کی وہ شہادت غلط قرار پاتی ہے جو ان کے متعلق اس میں بصراحت موجود ہے۔ ہم قرآنِ کریم پر ایمان لانے کے مکلّف ہیں۔ زید، بکر، عمر کے نوشتوں پر نہیں۔

بہر حال، ہم کہہ یہ رہے تھے کہ عہدِ صحابہؓ تک اُمت کی وحدت قائم رہی۔ اس کے بعد، نہ اسلام کا نظام باقی رہا نہ وحدتِ اُمت۔ یہ کب ہوا، کیسے ہوا، کیوں ہوا، یہ امور ہمارے موضوعِ زیرِ نظر سے خارج ہیں۔ آپ اس بحث میں اُلجھے بغیر، اپنے زمانہ کی طرف آ جائیے اور دیکھئے کہ ہماری حالت کیا ہے؟

ہماری حالت

(۱) دنیا میں قریب ساٹھ ستر کروڑ مسلمان بستے ہیں۔ لیکن کیا یہ اُمتِ واحدہ ہیں؟ نام کے اعتبار سے تو یہ مسلمان ضرور ہیں۔ لیکن اس رسمی اشتراک کے علاوہ ان میں کوئی اور قدرِ مشترک بھی ہے؟

(۲) ان مسلمانوں کی متعدد آزاد مملکتیں ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، اسلامی نظام کی رُو سے اُمت میں ایک سے زیادہ مملکتوں کا تصور ہی باطل ہے۔ اس نظام میں، تمام اُمت کی ایک مملکت اور اس کا ایک مرکز ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ زمانہ کے بدلے ہوئے حالات کے پیشِ نظر الگ الگ مملکتوں کا وجود ناگزیر تھا، تو

غور طلب بات یہ ہے کہ کیا ان میں کوئی ایک مملکت بھی ایسی ہے جس میں وہ اسلامی نظام قائم ہے جس کی قرآنی تفصیلات اوپر دی جاچکی ہیں۔ قرآن کریم نے کہا تھا کہ: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (49/10) "یہ حقیقت ہے کہ تمام مومن ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں"۔ کیا ان مملکتوں کا باہمی رشتہ اخوت کا ہے؟ ——— قرآن کریم نے کہا تھا۔ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ ..... عَذَابًا عَظِيْمًا (4/93) "جس شخص نے کسی ایک مومن کو بھی عمداً قتل کر دیا، اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر خدا کا غضب ہے، اس کی لعنت ہے اور بہت بڑا عذاب"۔ یہ ہے خدا کا ارشاد۔ اس کے بعد دیکھئے کہ کیا یہ مملکتیں ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار نہیں رہتیں۔ اور ایک "بھائی" دوسرے "بھائی" کا گلا نہیں کاٹتا؟ کیا ان میں سے کوئی بھی "اشتراکِ ایمان" کی بناء پر، ایک دوسرے کے ساتھ ائتلاف تو ایک طرف رہا، محض اتحاد کرنے کے لئے تیار ہے؟ قرآن کریم نے کہا تھا کہ: وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (4/141) "یہ کبھی ہو نہیں سکتا کہ خدا کافروں کو مومنوں پر غلبہ دے دے"؟ کیا ان مملکتوں میں سے کوئی مملکت بھی ایسی ہے جس پر کسی نہ کسی رنگ میں، بالواسطہ یا بلاواسطہ، کفار کا سیاسی، تمدنی، یا معاشی غلبہ نہ ہو؟ کوئی بھی ایسی ہے جو غیر مسلم مملکتوں کے اثر سے آزاد ہو؟

(3) کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم مسلمانوں میں قومیت کا معیار نسل ہے یا وطن۔ اور امت ان چار دیواریوں میں گھر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی ہے۔

(4) مختلف مملکتوں سے نیچے اتر کر، اب کسی ایک مملکت کی طرف آیئے۔ کیا اس مملکت کے تمام مسلمان باشندے "امتِ واحدہ" ہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ایک ہی مملکت کے اندر مسلمان ذاتوں، برادریوں (یعنی نسلی امتیازات) کی بناء پر، ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں! وطنی اعتبار سے ایک صوبے میں بسنے والے مسلمان دوسرے صوبے میں بسنے والے مسلمانوں کے رقیب ہیں اور باہمی تعصب کی بناء پر، ایک دوسرے کے مفاد کے دشمن۔ سیاسی پارٹیوں کی طرف آیئے، تو انکی باہمی سرپھٹول کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

(5) اور آخر میں، مذہب کی طرف آیئے۔ کیا کوئی خطۂ زمین بھی ایسا ہے جس میں صرف "مسلمان" بستے ہوں۔ اور وہ شیعہ، سنی، اہلحدیث، حنفی، حنبلی، مالکی، شافعی، کی گروہ بندیوں میں بٹے ہوئے نہ ہوں۔

اس کے بعد، آپ اس آخری بات کو سامنے لایئے جس کے متعلق ہم نے کہا تھا کہ اس پر، جذبات سے الگ ہٹ کر، واقعاتی اندازِ نگاہ سے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ آخری بات

اسلام کہاں ہے

یہ کہ دنیا میں ساٹھ ستر کروڑ مسلمان تو بستے ہیں لیکن کیا یہاں کسی جگہ اسلام بھی موجود ہے؟ زید، بکر، عمر کے تصور کا اسلام نہیں، وہ اسلام

جس کا تصور قرآن کریم نے پیش کیا تھا اور جسے ہم شروع میں سامنے لا چکے ہیں۔ یعنی کیا کوئی مملکت بھی ایسی ہے جو قرآن کریم کو ہر معاملہ میں سند و حجت مانتی، اختلافی معاملات میں اسے حکم گردانتی اور اس کے اقتدارِ اعلیٰ (SOVEREIGNTY) کو تسلیم کرتی ہو؟ —— یہ ہے وہ اہم سوال جسے نمایاں طور پر سامنے رکھ کر آگے بڑھئے۔ بات بالکل واضح ہے۔

جب امت، امتِ واحدہ نہیں تو اس میں اسلام بھی کہیں نہیں۔ قرآن کریم نے تفرقہ کو شرک قرار دیا تھا۔ جس امت میں تفرقہ ہے، وہ بہ نصِ صریحِ قرآنیہ، شرک میں مبتلا ہے اور ظاہر ہے کہ شرک اور اسلام ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

ہم جانتے ہیں کہ مذہبی پیشوائیت اس پر سخت چیں بہ جبیں ہوگی۔ لیکن آپ ان حضرات کے سامنے قرآن مجید کی وہ آیات رکھئے جنہیں درج کیا جا چکا ہے اور پھر ان سے پوچھئے کہ ان کے معانی کیا ہیں۔ بات واضح ہو جائے گی۔ ان میں سے ہر ایک یہ کہے گا کہ قرآنِ کریم کی یہ آیات برحق ہیں لیکن ان کا اطلاق ہم پر نہیں ہوتا۔ ہم تو اصلی اسلام کے پیرو مسلمان ہیں۔ تفرقہ دوسروں نے پیدا کر رکھا ہے اور اس کے ہم ذمہ دار نہیں۔ (ان میں سے ہر ایک یہی الفاظ کہے گا۔ اور یہ اس لئے کہ قرآن کریم نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ فرقہ بندی میں ہوتا یہ ہے کہ: كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝ (30/32)۔ ہر فرقہ اپنے آپ کو حق پر اور باقی سب کو باطل پر قرار دیتا ہے۔) لیکن آپ ایسا کہنے والوں سے پوچھئے کہ بہت اچھا صاحب! آپ اصلی اور حقیقی اسلام کے پیرو ہیں، فرقے دوسروں نے پیدا کئے ہیں۔ لیکن آپ یہ فرمائیے کہ جس فرقے سے آپ متعلق ہیں، کیا قرآنِ کریم میں مسلمانوں کو اس نام سے پکارا گیا ہے؟ —— کیا رسول اللہؐ نے اپنے آپ کو اس نام سے متعارف کرایا تھا؟ قرآنِ کریم نے تو کہا تھا کہ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (22/78) خدا نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔ اور رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ: اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (6/163) میں سب سے پہلا مسلم ہوں۔

اور اس کے بعد ان سے کہئے کہ کیا آپ اس کے لئے تیار ہیں کہ کل سے آپ اپنے آپ کو (مثلاً) شیعہ نہ کہیں، صرف مسلمان کہیں؛ سنی نہ کہیں، مسلمان کہیں، اہلحدیث، حنفی، مالکی، شافعی وغیرہ نہ کہیں، صرف مسلمان کہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ "اصلی اور حقیقی اسلام" کے پیرو ہونے کے مدعی، اتنی سی تبدیلی کے لئے بھی تیار نہیں ہوں گے۔

اور یہ تو صرف نام کی بات ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے معتقدات و نظریات، مسلک اور مشرب میں ذرا سی تبدیلی کرنے کے لئے بھی آمادہ نہیں ہوگا۔

یہ ہے اس وقت مسلمانوں کی حالت!

امت کی اس عبرت انگیز اور المناک حالت سے متاثر ہو کر مصلحینِ ملت وقتاً فوقتاً اٹھتے

رہے کہ ملت کے اس تشتت وانتشار اور افتراق و اختلاف میں اتحاد کی کوئی صورت پیدا کی جائے۔ ماضی قریب میں، ان میں سرفہرست، سید جمال الدین افغانیؒ کا نام نامی دکھائی دیتا ہے۔ سید صاحب کی ساری عمر اس مقصد کے حصول کے لئے صحرا نوردیوں اور دشت پیمائیوں میں بسر ہوگئی۔ انہوں نے قریب قریب تمام مسلم مملکتوں کا دورہ کیا۔ ان کے ارباب حل و عقد سے رابطہ اور ضابطہ قائم کیا۔ ان کے باہمی اتحاد و اتفاق کے لئے ہر ممکن کوشش کی ——— لیکن انہیں کوئی کامیابی نصیب نہ ہوئی۔

مصلحینِ امت کی ناکامی

افغانی (علیہ الرحمۃ) کے بعد، یہی صدائے دلخراش اقبالؒ کے قلب درد آگیں سے ابھری اور وہ ساری عمر اسی کی تلقین کرتے رہے۔ کبھی انہوں نے کہا کہ :-

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے — نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر
جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائیگا — ترک خرگاہی ہو یا اعرابیٔ والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پہ مقدم ہوگئی — اڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہ گذر

اور کبھی یہ کہ :-

یہ ہندی وہ خراسانی، یہ افغانی، وہ تورانی — تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا
غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے — تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

وہ ساری عمر اس صدائے دردناک کو عام کرتے رہے لیکن اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک عملی پروگرام سوچا اور اپنی آواز کو ہندوستان کے مسلمانوں تک محدود کر دیا تاکہ اس عالمگیر اخوت کا آغاز اسی خطۂ زمین سے کیا جائے۔ یہاں انہوں نے، قرآنِ کریم کے اس بنیادی اصول کو اجاگر کیا کہ اسلام میں قومیت کا مدار، اشتراکِ ایمان ہے، نہ کہ اشتراکِ وطن۔ اور اس اصول کی بنا پر، ہندوستان میں بسنے والے مسلمان، غیر مسلموں سے الگ، ایک جداگانہ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (اس سے پہلے سرسیدؒ نے بھی یہی نظریہ پیش کیا تھا) اس کے بعد اقبالؒ نے اسلامی نظام کا دوسرا بنیادی اصول پیش کیا کہ مسلمان، اسلام کے مطابق اسی صورت میں زندگی بسر کر سکتے ہیں جب ان کی اپنی آزاد مملکت ہو جس میں قرآنِ کریم کے اصول و احکام، عملی نظام کی شکل میں کارفرما ہوں۔ یہ دو اصول، مطالبۂ پاکستان کی بنیاد قرار پاگئے۔ اقبالؒ نے اپنے خطبۂ الٰہ آباد میں کہا تھا کہ اس آزاد مملکت کے حصول کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام پر جو ٹھپہ عربی ملوکیت نے لگا دیا تھا وہ دور ہو جائے گا۔ اور قبل از دورِ ملوکیت کا حقیقی اسلامی نظام دوبارہ وجود میں آسکے گا۔ یہ تھی حصولِ پاکستان کی غایت۔ اقبالؒ کے بعد، پاکستان کی اسی غرض و غایت کو قائداعظمؒ دہراتے رہے، حتیٰ کہ پاکستان وجود میں آگیا۔

پاکستان کی غرض و غایت

پھر سن لیجئے کہ حصولِ پاکستان کی غرض و غایت کیا تھی؟ یہ کہ :-

۱۔ پاکستان ایک ایسا خطۂ زمین ہوگا جو تجربہ گاہ بنے گا اس اسلامی نظام کے احیاء کا جو عہدِ محمد رسول اللہ والذین معہ میں وجہ سے ادائی عالم ہوا تھا۔

۲۔ اس مملکت میں بسنے والے تمام مسلمان، اشتراکِ ایمان کی بنا پر، ایک قوم (امتِ واحدہ) قرار پائیں گے۔ اس امت میں رنگ، نسل، زبان، جغرافیائی تفریق، صوبائی تقسیم، ذات، گوت، برادری، وغیرہ کے غیر فطری امتیازات ختم ہو جائیں گے اور دنیا ایک بار پھر، اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کا جنت نگاہ نظارہ دیکھ لے گی۔ غیر مسلم (یعنی جو اس نظریہ پر ایمان نہ رکھتے ہوں) اس امت کا جزو نہیں قرار پا سکیں گے۔

۳۔ اس مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ خدا کی کتاب کو حاصل ہوگا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں میں رفتہ رفتہ فرقہ بندانہ تعصبات ختم ہو جائیں گے۔ اور یوں، ایک دن، تفرقہ کا شرک ائتلافِ قلبی کی وحدت سے بدل جائے گا۔

۴۔ اس کامیاب تجربہ کو دیکھ کر، دنیا کے دیگر مسلم ممالک بھی، اسی نظام کو اپنے ہاں رائج کرتے چلے جائیں گے اور اس طرح تسبیح کے یہ بکھرے ہوئے دانے، ایک بار پھر، رشتۂ اخوت میں منسلک ہو جائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ جب، ساٹھ ستر کروڑ نفوس، قلبی رشتہ سے بنیانِ مرصوص (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) بن جائیں، تو دنیا کی کونسی طاقت ان پر غالب آسکتی ہے؟

یہ تھیں وہ حسین آرزوئیں اور دلکش تمنائیں جو مملکتِ پاکستان کے حصول و قیام کا محرک ہوئی تھیں۔

اس خواب کی تعبیر

یہ ہمارا خواب تھا ــــ اور اس خواب کی تعبیر کیا ہے، اس کے متعلق اس سے زیادہ کیا کہا جائے کہ ــــ صورت بہیں، حالم میرس! صورت اس وقت یہ ہے کہ ایمان کے اشتراک سے امت کی تشکیل تو ایک طرف، ہم دنیا کی عام اقوام کی طرح، وطن یا مملکت کے اشتراک سے بھی ایک قوم نہیں بن سکے ــــ یہاں بنگالی بستے ہیں، بلوچی بستے ہیں، سندھی بستے ہیں، پنجابی بستے ہیں، پختون بستے ہیں۔ لیکن پاکستانی کہیں نظر نہیں آتے۔ اور پھر ان بنگالیوں[1]، بلوچوں، سندھیوں، پنجابیوں، پختونوں میں باہمی تعصب کا عالم یہ ہے کہ (عام تاثر یہ ہے کہ) ایک بنگالی مسلمان کے نزدیک، غیر بنگالی مسلمان کے مقابلہ میں، بنگالی ہندو زیادہ عزیز ہے۔ (ہم نے بنگالی اور غیر بنگالی کا نام محض بطور مثال لیا ہے۔ یہی کیفیت دوسری جگہ بھی پائی جاتی ہے۔) سیاسی افتراق کا عالم ہے کہ تقسیم سے پہلے، اصولی طور پر مسلمانوں کی دو ہی سیاسی پارٹیاں تھیں ــــ ایک مسلم لیگ جو مطالبۂ پاکستان کی محرک و مؤید تھی۔

---

[1] یہ سنہ ۱۹۷۰ء میں لکھا گیا تھا۔ (طلوعِ اسلام)

اور دوسری متحدہ قومیت کے حامیوں کی۔ لیکن اب ہماری حالت یہ ہے کہ جو اینٹ اٹھائیے اس کے نیچے سے ایک نئی سیاسی پارٹی ابھر کر سامنے آجائے گی۔ اور ان پارٹیوں میں جو کچھ باہمی ہو رہا ہے، اس کے تذکرہ کی ضرورت نہیں۔ ایسا نظر آتا ہے کہ یہ ملک، انسانوں کی بستی نہیں۔ درندوں کا جھنڈ ہے جس میں ہر گروہ دوسرے گروہ کے خون کا پیاسا، اور ہر جماعت، دوسری جماعت کی جان کی لاگو ہے ـــــ اور تعصب کا یہ عالم ہے کہ، سابقہ الیکشن کے زمانے میں، جماعت اسلامی کے امیر، مودودی صاحب (مرحوم) نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ میں مسلم لیگ کے امیدوار کے مقابلہ میں ایک ہندو کو ترجیح دوں گا۔ مذہبی تفرقہ کی یہ کیفیت کہ سنہ ۱۹۶۲ء کے آئین میں مختلف فرقوں کا ذکر نہیں تھا ـــــ یہ ایک خوش آئند علامت تھی ـــــ لیکن مذہب پرست طبقہ نے (جسے اب "اسلام پسند" کی جدید اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے)۔ اس کے خلاف ہنگامے برپا کر دیئے اور اس وقت تک چین نہ لیا جب تک آئین میں اس "دفعہ" کا اضافہ نہ کرا لیا کہ شخصی معاملات میں، ہر فرقہ، کتاب و سنت کی تعبیر اپنی اپنی فقہ کے مطابق کرے گا۔ اس سے فرقوں کے وجود کو آئینی سند عطا ہو گئی۔ اب وہ بد قسمت مسلمان، جو فرقہ بندی کو از روئے قرآن شرک سمجھتا ہے اور اس لئے اپنے آپ کو کسی فرقہ سے منسوب نہیں کرتا، محو حیرت ہے کہ اگر ملک میں ان حضرات کے اسلام کا نظام رائج ہو گیا تو اس کے معاملات کا فیصلہ کون سی فقہ کی رُو سے ہوا کرے گا۔

کیا یہ اسلام کی شکست ہے؟

یہاں سے ایک نہایت اہم سوال ہمارے سامنے آتا ہے اہم بھی اور نازک تر بھی ـــــ نازک تر اس لئے کہ، جو قوم جذبات میں ڈوب جانے کی عادی ہو جائے، جب اسے حقائق کے آئینے میں اس کی شکل دکھائی جائے تو وہ جھنجھلا کر آئینہ ہی کو توڑ دیا کرتی ہے۔

لیکن کبھی تو حقائق کا سامنا کرنا ہی ہو گا ـــــ کبھی تو اس خود فریبی سے نکلنا ہی ہو گا۔

سوال یہ ہے کہ ایمان کے اشتراک کی بنیادوں پر ایک امت کی تشکیل، اسلام کے صدرِ اوّل میں ہوئی۔ تھوڑے عرصہ تک وہ وحدت قائم رہی۔ اس کے بعد، اس امت میں تفرقہ پیدا ہونا شروع ہو گیا اور وہ تفرقہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ اسے دور کرنے کی جس قدر کوششیں کی گئیں وہ ناکام رہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس کا سبب کیا ہے؟

(مولانا) ابوالکلام آزاد (مرحوم) نے تو کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ اسلام نے جو یہ اصول پیش کیا تھا کہ اشتراکِ دین کی بنیاد پر وحدت پیدا کی جائے، وہ اصول ہی سرے سے غلط اور ناممکن العمل تھا۔ انہوں نے، مطالبۂ پاکستان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا:۔

یہ سب سے بڑا فریب (FRAUD) ہے جس میں لوگوں کو مبتلا کیا جا رہا ہے کہ دین کا

سررشتہ اُن خطوں کو متحد کر دے گا جو جغرافیائی، معاشی، لسانی اور ثقافتی اعتبار سے
ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اسلام نے ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا
چاہا تھا جو نسلی، لسانی، معاشی اور سیاسی حدود سے ماوراء ہو۔ لیکن تاریخ نے ثابت
کر دیا کہ چند ہی سالوں کے بعد ____ یا زیادہ سے زیادہ ایک صدی کے بعد، اسلام اس
قابل نہ رہا کہ مسلمانوں کے مختلف ممالک کو محض اسلام کی بنیاد پر ایک مملکت بنا سکے۔
(لہٰذا، اب اس ناکام تجربہ کو دہرانا حماقت یا فریب نہیں تو اور کیا ہے؟)

(INDIA WINS FREEDOM —P 227)

آج ابوالکلام آزاد زندہ ہوتے تو بغلیں بجاتے ہوئے کہتے کہ تم نے دیکھا کہ جو کچھ میں نے کہا تھا وہ کس طرح حرف بحرف صحیح ثابت ہوا! لیکن اگر (مولانا) آزاد آج زندہ نہیں تو کیا؟ ان کے بے شمار متبعین اور ہم خیال یہاں موجود ہیں۔ پاکستان کے اس انتشار پر وہ یقیناً کہیں گے کہ ____ کیوں، ہم نہ کہتے تھے!

لیکن سوال کسی کے ایسا کہنے یا نہ کہنے کا نہیں۔ جب یہ تاریخی حقیقت ہے ____ اور پاکستان

اس کا سبب کیا ہے؟

کے تجربہ نے اس کی تازہ شہادت بہم پہنچا دی ہے، تو ہم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ہم، جذبات سے الگ ہٹ کر، غور کریں کہ اس کا اصلی سبب کیا ہے؟ اس سبب کے سمجھنے کے لئے، ایک بات کا تمہیداً سمجھ لینا ضروری ہے۔
آپ نے اس قسم کے نام اکثر سُنے ہوں گے ____ قاضی احمد اللہ، مفتی سعید الرحمٰن، حکیم احمد حسن۔ نام یہ عام ہیں لیکن آپ کو معلوم ہے کہ ان میں سے نہ کوئی قاضی ہوتا ہے، نہ مفتی، نہ حکیم۔ ان کے بزرگوں میں سے کوئی ایسا تھا، اور اس خصوصیت کی بنا پر ان کی شہرت تھی۔ وہ دنیا سے چلے گئے اور ان اہل خاندان نے یہ سب خصوصیت اپنے نام کا جزو بنا لیں حتیٰ کہ بعض شہروں میں، محلہ قاضیاں، مفتیاں محلہ، بازار حکیماں بھی ہوتے ہیں، لیکن نہ ان محلوں میں کوئی قاضی یا مفتی ہوتا ہے، نہ ان بازاروں میں کوئی حکیم۔ کسی زمانے میں وہاں ان خصوصیات کے حامل رہتے ہوں گے۔ وہ ختم ہو گئے لیکن ان محلوں اور بستیوں کے نام اسی طرح متوارث چلے آتے ہیں۔

اب فرض کیجئے کہ تپدق کا کوئی مریض "حکیم احمد حسن" سبزی فروش کے پاس چلا جائے اور وہ بھی اسے کچھ ٹوٹکے بتا دے۔ مریض کی وفات ہو جائے۔ اور اس پر اس کے لواحقین کہنا شروع کر دیں کہ حکمت (طبِ یونانی) میں تپ دق کا کوئی علاج نہیں، ہم نے آزما کر دیکھ لیا ہے۔ تو فرمائیے ان کا یہ فیصلہ کہاں تک مبنی بر حقیقت ہوگا۔ حکیم تو وہ ہوگا جس نے باقاعدہ حکمت (طب) پڑھی ہو اور اس کے مطابق طبابت کرتا ہو۔ اگر یہ اطباء طبابت کے اصولوں کے مطابق علاج کریں اور تپ دق پر قابو نہ پا سکیں تو پھر آپ کہہ سکتے ہیں کہ طبِ یونانی، تپدق کے علاج سے قاصر ہے۔ اس سبزی فروش کے علاج کی ناکامی سے، جس کا محض خاندانی نام "حکیم" ہے،

طبیب یونانی کو موردِ الزام ٹھہرانا کس طرح صحیح قرار پا سکتا ہے؟

جو غلطی ہندو کے اس مریض اور اس کے متعلقین نے کی تھی، اسلام کے متعلق بعینہٖ وہی غلطی ہم کرتے ہیں۔ ہم نے اسلام اور مسلمانوں کو مرادف سمجھ لیا ہے۔ اور مسلمانوں کی ناکامی کو اسلام کی ناکامی قرار دیتے ہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ (مولانا) آزاد جیسا باریک بین، اسلام اور مسلمانوں کے فرق کو نہ سمجھ سکا ہو۔ ہمارا خیال ہے کہ انہوں نے محض اپنے مسلک (متحدہ قومیت) کو حق بجانب قرار دینے کے لئے، مسلمانوں کی تاریخ کو غلط رنگ میں پیش کر دیا۔ اگر وہ اپنے آپ کو یہیں تک محدود رکھتے تو بھی خیر تھی لیکن افسوس یہ ہے کہ انہوں نے اس سے نتیجہ یہ مرتب کیا کہ اسلام نے ایمان کے اشتراک سے قومیت کی تشکیل کا ایک تجربہ کیا تھا، جو ناکام ثابت ہوا۔ آپ سوچئے کہ جو شخص یہ مانتا ہو کہ اسلام، کسی انسانی ذہن کی تخلیق نہیں، جس کے مطابق تجربات کامیاب بھی ہو سکتے ہیں اور ناکام بھی، بلکہ اسلام، اس خدا کا عطا کردہ ضابطۂ ہدایت ہے جس کا ہر ارشاد الحق ہے، اور جس سے ہمیشہ وہ نتائج مرتب ہوں گے جن کا وہ مدعی ہے، وہ ایسی بات کبھی کہہ سکتا ہے؟ کیسا عبرت انگیز ہے یہ تصور کہ (مولانا) آزاد جیسا شخص اپنی زندگی کے آخری سانس میں اسلام کے متعلق ایسی بات کہہ جائے۔

بہرحال، ہم یہ کہہ رہے تھے کہ ہماری بنیادی غلطی یہ ہے کہ ہم نے اسلام اور مسلمانوں کو مرادف سمجھ رکھا ہے۔ قرآن کریم کچھ ابدی قوانین دیتا ہے جن کے متعلق اس کا دعویٰ یہ ہے کہ جب اور جہاں بھی ان قوانین پر عمل کیا جائے گا، فلاں فلاں قسم کے نتائج مرتب ہو جائیں گے۔ صدرِ اوّل میں ایک جماعت نے ان قوانین پر عمل کیا اور اس کے نتائج ساری دنیا کے سامنے آ گئے۔ اس جماعت کا نام جماعتِ مومنین (یا عرفِ عام میں مسلمان) تھا۔ اس کے بعد، اس جماعت کی نسل آگے چلی۔ انہوں نے ان قوانین پر تو عمل کرنا چھوڑ دیا لیکن نام اپنا اپنے اسلاف کی تقلید میں، مسلمان ہی رکھا ــــــ بعینہٖ جس طرح احمد حسن سبزی فروش نے اپنا نام حکیم احمد حسن رکھ چھوڑا۔ اظہار ظاہر ہے کہ ان "مسلمانوں" کا معاشرہ ان انسانیت ساز نتائج سے ہم آغوش نہیں ہو سکتا تھا، جو ان قوانین پر عمل پیرا ہونے سے مرتب ہوئے تھے۔

ہم پوچھتے ہیں دانشورانِ عالم سے کہ اس ناکامی کو اسلام کی ناکامی کہا جائے گا یا مسلمان نام رکھنے والی قوم کی ناکامی؟

اس سے یہ حقیقت بھی سامنے آ جاتی ہے کہ امت کے اصلاحِ حال کی جس قدر کوششیں کی جاتی ہیں، وہ ناکام کیوں رہتی ہیں؟ اس لئے کہ ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان جیسے ہیں، ویسے کے ویسے ہی رہیں، لیکن ہمارے وعظ سے ان کے معاشرہ میں، اسلامی نظامِ زندگی کے نتائج ظہور میں آنے شروع ہو جائیں۔ ایسا سمجھنا بھی غلط ہے اور اس مفروضہ پر کوئی کوشش کرنا بھی لاحاصل۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ حکیم احمد حسن سبزی فروش کے ہاتھوں مریض شفایاب ہو جائے

ذکر کرنے کا کام یہ ہوگا کہ اس سے سبزی فروشی کا کاروبار چھڑا کر اسے طب کی باقاعدہ تعلیم دیں۔ اور جب وہ طب کی سند حاصل کرلے، تو پھر اسے حکیم کہیں، مریضوں کا اس سے علاج کرائیں۔ اسلام کے صدرِ اوّل میں طریقِ کار یہی تھا، وہاں، غیر مسلموں کو، پہلے

مسلمان کیسے بنتا ہے

اسلامی قوانین و نظامِ حیات کی صداقتوں سے آگاہ کیا جاتا تھا اور ان سے کہا جاتا تھا کہ وہ ان پر اچھی طرح غور و فکر کرلیں۔ جب وہ غور و فکر کے بعد، ان کی صداقت پر مطمئن ہو جاتے تھے تو ان کی اس کیفیت کو ایمان سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد انہیں اس نظام کی تعلیم دی جاتی اور ان کی صلاحیتوں کی نشوونما کی جاتی تھی۔ (وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ)۔ اس طرح جب وہ "کامل الطب والجراحت" کی سند حاصل کر لیتے تھے، تو پھر وہ معالجہ کی طرف آتے تھے۔

سوچئے کہ کیا ہم میں سے کوئی شخص بھی اس طرح ایمان لاکر "مسلمان" ہوا ہے؟ اس کے برعکس، کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہم میں سے ہر شخص "حکیم احمد حسن" ہے۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر ہم میں سے توقع کرنا کہ ہم اسلامی نظام کے خوشگوار نتائج کے مظہر ہوں گے، خود فریبی نہیں تو کیا ہے؟ یہی غلطی ہم نے پاکستان بننے کے بعد کی۔ ہم نے ایمان کے اشتراک سے ایک اُمت کی تشکیل کا دعویٰ تو کیا، لیکن ایمان کسی میں پیدا نہ کیا۔ ہم نے بنگالی کو بنگالی، بلوچی کو بلوچی، سندھی کو سندھی، پنجابی کو پنجابی، پٹھان کو پٹھان رہنے دیا، اور فرض یہ کرلیا کہ یہ اُمتِ واحدہ ہیں کیونکہ یہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ کتنی بڑی تھی یہ خود فریبی جس میں ہم نے اپنے آپ کو مبتلا رکھا —— اور جس کا خمیازہ ہم، آج اس بری طرح بھگت رہے ہیں! اس دوران میں ہم نے کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی کہ بنگالی کیوں غیر بنگالی کو اپنا نہیں سمجھتا، اور سندھی کیوں غیر سندھیوں کو اپنا ہم قوم نہیں سمجھتا؟ ہم نے جب بھی علیحدگی کی کوئی آواز سنی، یا بیگانگی کے آثار دیکھے تو اس قسم کے وعظوں کو کافی سمجھا کہ:۔

> پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے، اس لئے ہماری زندگی کا نقشہ اسلام کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اسلام میں رنگ، نسل، خون، زبان کے تمام امتیازات مٹ جاتے ہیں اور تمام مسلم خدا کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں —— صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً —— اسلام میں اسود و احمر کی کوئی تمیز نہیں۔ اسی لیے بلال حبشی، صہیب رومی، سلمان فارسی اور صدیق عربی، سب ایک خاندان کے افراد اور ایک تسبیح کے دانے بن جاتے ہیں۔ ہماری زندگی کا یہی شعار ہونا چاہیئے، ہمارے معاشرہ کا یہی انداز ہونا چاہیئے۔ ہمارا خدا ایک، کتاب ایک، رسول ایک، کلمہ ایک، قبلہ ایک پھر ہم بھی سب ایک اُمت کیوں نہ ہوں رہا دیکھئے۔ اتحاد میں برکت ہے، انتشار کا نتیجہ ہلاکت ہے۔

جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں، مٹ جائے گا!

یہ وعظ کہا اور پھر مطمئن ہو گئے کہ سب خیر ہے۔ ہم اس طرح اپنے آپ کو فریب دیتے رہے۔ اور ہم ہیں، ہم آہنگی و یک رنگی پیدا ہونے کے بجائے باہمی نفرت اور کدورت کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔

طلوعِ اسلام نے حصولِ پاکستان کے ساتھ ہی کہا تھا کہ ہم جس قسم کے مسلمان ہیں، سو ہیں۔ ہم نے اس خطۂ ارض کو حاصل کر لیا۔ یہ بجائے خویش بہت بڑی بات ہے۔ لیکن جس مقصد کے لئے اسے حاصل کیا گیا ہے، (یعنی اسے اسلامی نظام کی تجربہ گاہ بنانا) یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہوگا۔ اس کے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ:

(i) موجودہ مسلمانوں سے کہا جائے کہ تم اس خطۂ زمین کی حفاظت اس طرح سے کرو کہ دشمن اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکے۔ اور

(ii) اپنی آنے والی نسلوں کی تعلیم کا انتظام اس طرح کیا جائے کہ وہ اس انداز کے مسلمان بن کر ابھریں، جس انداز کے مسلمان، ہمارے صدرِ اوّل کے اسلاف تھے۔ اسی تعلیم سے یہ نوجوان قرآن کے اصول و اقدار پر ایمان لا سکیں گے۔ اور اس طرح لائے ہوئے ایمان کے اشتراک سے وحدتِ امت کے امکان روشن ہوتے چلے جائیں گے، اور رفتہ رفتہ ایسی کیفیت پیدا ہو سکے گی کہ ہم نہ بنگالی رہیں، نہ بلوچی، نہ پنجابی رہیں نہ افغان، بلکہ صرف پاکستانی رہیں۔ اور اس سے آگے چل کر یہ توقع بھی ہو سکے گی کہ ہم نہ شیعہ رہیں نہ سنی، نہ وہابی رہیں نہ حنفی، بلکہ صرف مسلمان بن جائیں۔ ان مسلمانوں کے ہاتھوں وہ نتائج مرتب ہو سکیں گے جن کا وعدہ اسلام کرتا ہے، اور جو وعدہ یقینی، اور اٹل ہے۔ اسلامی نظام نے جو کچھ ایک دفعہ کر کے دکھایا تھا، اس میں وہی کچھ کر دکھانے کی ابدی صلاحیت ہے۔ جس طرح فطرت کا کوئی قانون کبھی فیل نہیں ہوتا، اسی طرح قرآن کریم کا کوئی اصول بھی کبھی ناکام ثابت نہیں ہو سکتا، کہ یہ دونوں اُس خدا کے تخلیق کردہ ہیں جس کا علم ازلی اور ابدی ہے، تجارب کا محتاج نہیں۔

موجودہ سیاسی حالت کا جائزہ

ان تصریحات کی روشنی میں ہمیں پاکستان کی موجودہ سیاست کا جائزہ لینا چاہیئے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس وقت پاکستان میں، مختلف خطوں، صوبوں، گروہوں، پارٹیوں اور طبقوں میں باہمی تعصب کے جذبات بڑی شدت اختیار کر چکے ہیں، حتّٰی کہ اکثر ذہنوں میں علیحدگی تک کے خیالات پرورش پانے لگ گئے ہیں۔ ہماری حالت یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ان اسباب و علل کا حقیقت پسندانہ نگاہ سے سراغ لگائیں جن کی وجہ سے حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے، ہم یہ

کچھ کر شتر مرغ کی طرح اپنا سر ریت میں چھپا لیتے ہیں کہ مشرقی ہو یا مغرب، سندھ ہو یا بلوچستان، ہم سب اسلام کے فرزند ہیں اور اسلام محبت اور اخوت، اتحاد و اتفاق کی تعلیم دیتا ہے۔ نہ کہ نفرت و عداوت اور تشتت و انتشار کی۔ لہٰذا: فرزندانِ توحید کے دل میں باہمی تعصب و نفرت یا بیگانگی اور علیحدگی کے خیالات پیدا ہونے ہی نہیں چاہئیں۔ ہم ان ہزاروں بار کے دہرائے ہوئے الفاظ کو بار دِگر دہرا دیتے ہیں، اور سمجھ لیتے ہیں کہ تمام اختلافی مسائل حل ہو گئے۔ یہ انداز غلط ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے جب ہم نے یہاں اسلامی ذہنیت ہی پیدا نہیں کی تو ان معاملات کے سلجھانے کے لئے اسلام کے نام کی اپیل کس طرح نتیجہ خیز ہو سکتی ہے؟ ہمیں ایسا کرنا ہی نہیں چاہیئے۔ یہ فریبِ نفس ہے۔

یہ ہے وہ آئینہ جسے ہم قوم کے سامنے رکھنے کی جرأت کر رہے ہیں۔ کیا کوئی ہے جو اس آئینہ میں اپنی شکل دیکھ کر اسے پتھر پر دے مارنے کے بجائے اپنے خط و خال کی درستگی کی طرف توجہ دے، اور اس طرح اس مظلوم ملک کی حالت پر رحم کھائے؟

خط و خال میں درستی کا طریقہ وہی ہے جس کا ذکر ہم نے شروع میں کیا ہے۔ یعنی ہم اس اسلامی نظام کی طرف پلٹ جائیں جو عہدِ محمد رسول اللہؐ والذین معہٗ میں قائم ہوا تھا۔ اس نظام میں:

1. سارے مسلمان امتِ واحدہ تھے۔ ان میں نہ مذہبی فرقے تھے نہ سیاسی پارٹیاں، نہ ذاتیں تھیں، نہ برادریاں۔ نہ صوبوں کی تفریق تھی نہ نسلی امتیاز۔
2. اس میں مملکت کا اقتدارِ اعلیٰ خدا کی کتاب (قرآن مجید) کو حاصل تھا۔
3. امت کے منتخب نمائندے، قرآن مجید کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے، باہمی مشاورت سے، قوانین وضع کرتے جن کا اطلاق تمام افرادِ امت پر یکساں طور پر ہوتا۔
4. اس میں تعلیم و تربیت کا ایسا نظام تھا جس کی رُو سے، اقدارِ خداوندی کی طلب دل کی گہرائیوں سے اُبھرتی اور اس طرح، افرادِ امت کا کردار، پاکیزگیٔ اخلاق کا بلند ترین نمونہ بن جاتا۔ اسی کا نام سنّتِ رسول اللہؐ کا اتباع تھا۔

ہم جانتے ہیں کہ اس قسم کا نظام ایک دن میں قائم نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر ہم اسے بطور نصب العین اپنے سامنے رکھ کر، بتدریج اس کی طرف بڑھتے جائیں تو ایک دن اس منتہیٰ تک ضرور پہنچ جائیں گے۔ یہی اسلام کی غایت، اور حصولِ پاکستان کا منتہائے مقصود تھا۔

اگر ہم اس نصب العین کو اپنے سامنے نہیں رکھتے، تو ہماری ساری سرگرمیاں (خواہ وہ مذہبی ہوں، یا سیاسی) یا تو محض شور و غوغا ہیں اور یا حصولِ مفاد کا ذریعہ۔

بیادِ اقبالؒ و سفیرِ اقبالؒ

مجلسِ قلندرانِ اقبالؒ

علامہ اقبالؒ کو بلادِ عربیہ سے متعارف کرانے کا سہرا، ڈاکٹر عبدالوہاب عزام (مرحوم) کے سر ہے۔ انہوں نے حضرتِ علامہ کی اہم کتابوں کا، عربی نظم میں ترجمہ کر کے ان ممالک، میں شائع کیا تھا۔ اس حد تک تو غالباً اکثر حضرات کو علم ہو گا، لیکن اس کا علم بہت کم افراد کو ہو گا کہ ان کتابوں کے یہ تراجم کب ہوئے تھے، کہاں ہوئے تھے، اور کس طرح ہوئے تھے۔ یہ کراچی میں اس زمانے میں ہوئے تھے جب ڈاکٹر[ط] عزام مرحوم، سفیرِ مصر کی حیثیت سے کراچی میں قیام پذیر تھے، اور اُس حلقۂ فکرِ اقبالؒ میں ہوئے تھے جسے مرحوم نے "مجلسِ قلندرانِ اقبالؒ" کہہ کر پکارا تھا۔ اس مجلس کی ان نشستوں کی روئداد یکے از قلندران، محترم خورشید عالم صاحب نے اسی زمانے میں قلمبند فرمائی تھی جو (۱۹۵۵ء میں) ہفتہ وار طلوعِ اسلام میں شائع ہوئی تھی۔ چونکہ یہ ایک اہم تاریخی واقعہ ہے اس لئے ہم نے اس کی یاد تازہ رکھنا ضروری سمجھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے روئدادِ "مجلسِ قلندرانِ اقبالؒ"۔

(۰)

شروع ۱۹۵۱ء کا ذکر ہے کہ محترم پرویز صاحب کو یہ پیغام ملا کہ نئے سفیرِ مصر، اُن سے ملنے کے متمنی ہیں۔ مملکتِ مصر کا نمائندہ اور ایک درویش سے ملنے کی خواہش! بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ پرویز صاحب اسی پر کم متحیر نہ تھے کہ پیغامبر نے کہا کہ ان کے اس شوقِ ملاقات کا جذبۂ محرکہ وہ نسبت ہے جو آپ کو اقبالؒ سے ہے۔ اس پر پرویز صاحب کی آنکھوں کے سامنے یہ سارا نقشہ پھر گیا (جس کا تجربہ انہیں عمر بھر ہوتا رہا ہے) کہ کس طرح "بڑے لوگ" ضرورت کے وقت، اقبالؒ سے وابستگی کا اظہار کرتے ہیں اور یوں طالب علمانِ اقبالؒ سے کس طرح فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس خیال نے پرویز صاحب کے دل سے اس پلکے سے ردِ عمل کو بھی ختم کر دیا جو مجبورِ تمنائے ملاقات سے قدرتاً پیدا ہوا تھا، چنانچہ انہوں نے معذوری کا اظہار کیا، لیکن پیغامبر (سید عبدالواحد صاحب[ط] سیکرٹری مجلسِ اقبالؒ) نے اصرار کیا اور یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ صاحبِ موصوف کی

ط اب مرحوم ہو چکے ہیں۔

طلبِ صادق ہے اور جذبہ خالص — ناچار پرویز صاحب آمادۂ ملاقات ہو گئے۔

پہلی ملاقات سفارت خانہ مصر میں ہوئی تھی۔ یہ اس لئے کہ پرویز صاحب وہاں خود چلے گئے تھے ورنہ سفیر صاحب نے تو یہ کہلا بھیجا تھا کہ انہیں بتایا جائے کہ کب اور کس وقت وہ پرویز صاحب سے ملنے کے لئے آئیں؛ سفارت خانے عجیب دنیا ہوتے ہیں۔ ان میں چھانک کر دیکھئے۔ شان و شوکت، ٹھاٹھ باٹھ، تصنّع، تکلّف، ظاہر داری (اپنے غنیاً منافقت کا لفظ زبان پہ آ رہا ہے) اور دیگر بے شمار بظاہر حسین مگر بباطن خبیث، دختران مادرِ ڈپلومیسی قدم قدم پر نظر آئیں گی۔ یہ تن کی دنیا ہے جو "سود و سودا مکر و فن" سے معمور رہے نہ کہ "سوز و مستی جذب و شوق" سے آباد من کی دنیا۔ اس جہانِ گندم و جو فروش میں ان درویشوں کا کیا کام اور کہاں گذر جن کے قلوب و اذہان میں قرآن اور اقبال نے اقدار کی ایک ایسی دنیا بسا رکھی ہو جس میں اضطرابِ موج کے ساتھ ساتھ سکونِ گہر بھی ہو۔ جو بدلتے رہنے کے باوجود نہ بدلیں، اور جن کی حالت یہ ہو ؎

زبرونِ در گذشتم ز درونِ خانہ گفتم
سخنے نگفتہ را چہ قلندرانہ گفتم

بہر حال پرویز صاحب گئے اس حال میں کہ "آیا نہیں لایا گیا ہوں" سفیرِ مصر ڈاکٹر عبدالوہاب عزام سے ملاقات ہوئی اور گفتگو شروع ہوئی۔ چند ہی لمحوں کے بعد پرویز صاحب نے محسوس کیا کہ وہ کاخِ نمائندگانِ شاہی میں نہیں بلکہ کسی حجرۂ درویش میں ہیں، وہ درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی۔ ایک طرف ان کا علم و فضل تھا جو عالمانہ نمائش سے پاک تھا۔ اس میں سراسر طالبِ علمانہ تجسّس تھا۔ دوسری طرف ان کا عشق تھا جس نے انہیں سراپا سوز و گداز بنا رکھا تھا۔ یہ اقبالؒ ہی کا فیض ہو سکتا تھا۔ اب پرویز اور عزام اس دنیا میں تھے، جہاں تمام حجابات یک لخت اُٹھ جاتے ہیں اور ملنے والے، من تو شدم تو من شدی، کی حقیقی "اَنْتَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ" کی تصویر بن جاتے ہیں۔

یہ منفرد ملاقات "مجلسِ قلندرانِ اقبالؒ" کا نقشِ اوّل بنی۔ اس لیے مثل مجلس کی کوئی باقاعدہ رسمی تاسیس نہیں ہوئی۔ حق تو یہ ہے کہ اس کا بیج ارکانِ مجلس کی کشتِ جاں میں بو دیا گیا۔ اس کا باقاعدہ نام بھی تجویز نہیں ہوا۔ جوں جوں سفر بڑھتا گیا مجلس کا نقشہ صاف تر ہوتا گیا۔ تاآنکہ ایک وقت اسے "مجلسِ قلندرانِ اقبالؒ" کہہ دیا گیا، اور پھر اُسے یہی کہا جانے لگا۔ بہر حال مجلس کی طرح یوں پڑی کہ عزام صاحب نے جو پیامِ مشرق کا عربی ترجمہ مکمل کر چکے تھے، اور اس کی اشاعت کے انتظامات میں مصروف تھے۔ یہ خواہش ظاہر کی کہ انہیں (عزام صاحب اور پرویز صاحب کو) باقاعدہ ملتے رہنا چاہیئے تاکہ وہ آئندہ جس کتاب کا ترجمہ کریں، اسے ترجمے سے پہلے اکٹھے بیٹھ کر اوّل تا آخر پڑھ لیں۔ سید عبدالواحد صاحب جنہوں نے پیغامبری کے فرائض سرانجام دیئے تھے بے اختیار بول اٹھے کہ اگر ایسی بات ہے تو اس میں انہیں بھی شریک کیا جائے تاکہ وہ بھی ان مباحث سے مستفید ہو سکیں۔ اس سے بات چل نکلی اور یہ فیصلہ ہوا کہ جو احباب اس محفل میں شریک ہونا چاہیں انہیں بھی شریک کر لیا جائے۔ لیکن صرف انہی کو جو اس میں قلندرانہ رنگ میں شریک ہونا چاہیں۔ اس طرح ایک باقاعدہ اجتماع منعقد ہونا شروع ہوا۔

رفتہ رفتہ قلندروں کی تعداد ایک درجن کے لگ بھگ پہنچ گئی۔ گو ایسے حضرات بھی تھے جو کبھی کبھی آجاتے تھے لیکن ایک۔ درجن کے قریب بالعموم پابندی سے شریکِ مجلس ہوتے رہے۔ لفظ "پابندی" شاید موزوں نہ ہو لیکن ہم سب کا یہ حال تھا کہ مجلس ہو رہی ہوتی تو ہم اس میں شریک ہوتے تھے اور نہیں ہو رہی ہوتی تھی تو اس کے لئے انتظار اور تیاری میں لگے رہتے تھے۔ ہمارے لئے یہ وہ غذا تھی جس کے بغیر نہ سینے کی کشود ممکن ہے نہ قلب کا حضور، اور جب یہ دولت ہاتھ آجاتی ہے تو کوئی اس کو بہ قیامِ ہوش و حواس ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ اور قلندرانِ اقبال کے لئے تو ہوش و حواس کا کھونا از قبیل محالات ہے ؎

باچنیں زورِ جنوں پاسِ گریباں داشتم!

در جنوں از خود نہ رفتن کارِ ہر دیوانہ نیست

مجالس بالعموم ہفتے میں ایک بار منعقد ہوا کرتی تھی۔ ہفتہ واری اجتماع کسی مجلس کے لئے بظاہر بڑا کافی ہے لیکن جن کے نزدیک گردشِ لیل و نہار کا "معیار" اوقات، ہماں بود کہ بایار بسر رفت" ہو، انہیں ہر وقت یہ خلش احساس رہتی ہے کہ "حیف درچشم زدن صحبتِ یار آخر شد" مجلس کے لئے دن کا کوئی تعین نہیں تھا۔ گو وقت عموماً شام کے پانچ بجے کا ہوا کرتا تھا۔ یہ دن کی عدم تعیین قلندروں کے شوق کا عجیب امتحان ہوا کرتی تھی، ہر بار نئی واردات اور نئی کیفیات کی حامل۔ عام طور پر مجلس برخاست ہونے سے پیشتر یہ طے کر لیا جاتا تھا کہ آئندہ اجتماع کب ہو؟ اس میں ایک رکاوٹ ہوا کرتی تھی اور وہ تھی سفیر صاحب کی سرکاری مصروفیات۔ انہیں بہرحال ان کے مطابق وقت مقرر کرنا پڑتا ہے۔ اور محفل صرف اسی ایک رکاوٹ کے سامنے جھکنے کے لئے تیار ہوتی تھی۔ ورنہ کوئی اور مصروفیت آئندہ یوم انعقاد کے تعین میں حائل نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ تعین کا منظر بھی قابل دید ہوا کرتا تھا۔ "آئندہ کب ہو" کے سوال پر سفیر صاحب اپنی ڈائری منگوا لیتے تاکہ معین مصروفیات کا جائزہ لیں۔ گو انتظار کیا جاتا کہ سفیر صاحب ڈائری دیکھ کر فارغ دن کا اعلان کریں لیکن بے صبری یا بے خودی کا یہ عالم ہوتا تھا کہ ڈائری آتے آتے کئی دن "مقرر" ہو جایا کرتے تھے۔ ڈائری آتی تو سفیر صاحب اس کی ورق گردانی کرتے اور مجلس ان کے چہرے کو پڑھتی۔ خود سفیر صاحب کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کہیں ہفتے سے زیادہ کا وقفہ ہوگیا ہے تو وہ متردد نظر آتے تھے۔ اس وقت عجیب "سودا بازی" شروع ہو جاتی۔ چلئے ہم صبح صبح آجائیں گے۔ اچھا یوں کیجئے۔ آپ ڈنر سے واپس آئیے اور پھر شب درمیان ہوگی بہت سا حساب بیباق ہو جائے گا۔ ایک مرتبہ ایسے ہی رات کی بات ہو رہی تھی تو سفیر صاحب نے بڑی بے ساختگی سے کہا "حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ" اس کے بعد مجلس میں یہ ضرب المثل ہوگئی تھی۔ اس سے ذوق و شوق کے پیمانوں کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ مجلس کا وقت اس خیال سے مقرر کیا گیا کہ اس سے فارغ ہو کر سفیر صاحب اپنی "غیر مجلسی" مصروفیت سے عہدہ برآ ہوسکیں گے۔ لیکن ذوقِ حضور دل میں طرح طرح کی راہیں تراشنا شروع کر دیتا۔ "یہ موضوع زیادہ اہم ہے"۔ "یہ نکتہ زیادہ غور طلب ہے"۔ "اسے ایک ہی نشست میں نپٹا لینا چاہیئے" وغیرہ وغیرہ۔ سب کو رہ رہ کر خیال (اور بہت حد تک افسوس) سفیر صاحب کی مصروفیت کا آرہا

ہے۔ سفیر صاحب ہیں کہ فرما رہے ہیں کہ مجھے بھی جلدی نہیں، تیار ہو کر چلے جانا ہے۔ چند منٹ اور بیٹھ لیتے ہیں، چند منٹ اور۔۔۔ تا آنکہ ایک منٹ کا پس و پیش خلافِ مصلحت ہو جاتا۔ اور سب بادلِ نخواستہ اُٹھ کھڑے ہوتے۔

کسی مجلس کے ذکر یا تصور سے معاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے عہدیدار کون ہیں؟ سطورِ بالا سے آپ کی توجہ شاید اس طرف نہ گئی ہو۔ یا ہو سکتا ہے آپ نے یہ نتیجہ نکال لیا ہو کہ مجلس قلندرانِ اقبالؒ میں مناصب کی تقسیم نہیں ہو گی۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ ہو بھی کیسے؟ اس مجلس کو باقاعدہ طور پر معرضِ وجود میں نہیں لایا گیا، اور یوں بھی اس کی اٹھان اور فضا انجمنوں کے عام انداز و معیار سے بالکل مختلف رہی۔ لیکن نہیں، اس میں بھی مناصب پیدا ہو گئے تھے، اور اس طرح سے جیسے وہ پہلے سے "مقدر" تھے۔

سب سے بڑا "عہدہ" پرویز صاحب کو ملا۔ وہ شیخ قلندران کہلائے۔ اس کی صورت یوں ہوئی۔ ہر چند مجلس کی تشکیل سفیر صاحب کی تحریک پر ہوئی لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر پرویز صاحب نہ ہوتے تو یہ تحریک لبادہ تشکیل اختیار ہی نہ کر سکتی۔ اگر سفیر صاحب نے مجلس کا ڈھانچہ تیار کیا تو پرویز صاحب نے اس میں روح پھونکی۔ چونکہ پرویز صاحب ہی اقبالؒ پڑھا اور پڑھایا کرتے تھے اور اپنے مطالعہ اقبالؒ اور تدبر فی القرآن کی بدولت وہی اس کے اہل بھی تھے۔ اس لئے انہیں شیخ قلندران کہا جانے لگا۔ سفیر صاحب کو بھی منصب سے محروم نہیں رکھا گیا۔ اس میں ان کے سرکاری عہدے اور علمی مشاغل کی یہ رعایت رکھی گئی کہ انہیں "سفیرِ اقبالؒ" کا لقب دیا گیا۔ وہ نہ محض والہانہ جوش سے ہر جگہ اقبالؒ کا پیغام پہنچاتے تھے بلکہ کلامِ اقبالؒ کا عربی میں ترجمہ کر کے آپ نے پوری دنیائے عرب کو فکرِ اقبالؒ کے نور سے منور کر دیا۔ اور اس طرح اس دنیا کے لئے تنہا "سفیرِ اقبالؒ" قرار پائے۔

ایک منصب "ساقی" کا تھا، آج وہی ساقی، ساقی گری کی شرم رکھ کر اس اُجڑی محفل کی یاد کو دل و دماغ میں بسائے اس کی داستان گوئی کا فرض ادا کر رہا ہے۔ یہ منصب بھی بلاوجہ عطا نہیں ہوا۔ دراصل منصب بقدرِ ظرفِ عمل ہوتا تھا۔ ہر منصب کا استحقاق عمل تھا۔ قاعدہ یہ تھا کہ مجلس شروع ہوتی تو سفیر صاحب کے ملازمین چائے کی تیاری شروع کر دیتے (زبان نے اس وقت انہیں "ملازمین" محض تعارف کے لئے لکھا ہے۔ ورنہ وہ بھی درحقیقت اس مجلس کا ایک جزو بن چکے تھے اور انہیں کسی بڑے سے بڑے مہمان کی تواضع میں وہ لطف نہیں ملتا تھا) جب چائے تیار ہو چکتی تو چائے کا دور چلتا۔ شروع شروع میں ایسا ہوا کہ چائے آئی تو اتفاق سے راقم الحروف نے چائے بنائی۔ دو ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا۔ ایک مرتبہ چائے رکھ دی گئی لیکن شروع نہ کی گئی کیونکہ شیخِ قلندران اپنا بیان ختم نہیں کر چکے تھے۔ جونہی بیان ختم ہوا سفیر صاحب نے فرمایا "ساقی" اور چائے کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی بے ساختہ داد دی گئی۔ اور ساقی پر ساقی گری کی دائمی ذمہ داری آ پڑی۔ چائے کے ساتھ ۔۔۔۔ کچھ نہ کچھ کھانے کے لئے ضرور ہوتا تھا۔ اس کی تقسیم کی ذمہ داری ساقی پر نہ تھی، ساقی کا کام "سقایتِ مجلس" تک محدود تھا۔ تقسیم کا کام "قاسم" کے سپرد ہوا۔ قاسم ہمیشہ ساقی کے معاون رہے۔ ساقی کا پیالہ اٹھتا تو قاسم کی پلیٹ اس کے ساتھ پہنچتی، ساقی گری بڑی نازک ذمہ داری ہے، پھر قلندروں کی ساقی گری! کچھ پوچھئے نہیں۔ دس بارہ قلندر جن کی "ہر لحظہ نئی شان، نئی آن" اسے کم دودھ، اُسے تیز قہوہ، اسے اتنی شکر،

وہ اپنی سٹکرِ مجلسِ قلندران کی ساقی گری ظرف شناسی سے کہیں زیادہ مزاج شناسی تھی اور مزاج شناسی کا امتحان شکر کے معاملہ میں ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ جہاں ایسے قلندر تھے کہ جو چائے کو شکر آمیز کرنے کے روادار نہیں تھے وہاں ایسے قلندر بھی تھے جو تلخیٔ چائے کو شکر سے انگبیں بنا کر کام و دہن کی آزمائش کیا کرتے تھے۔ ساقی کو اس نشیب و فراز کی خصوصی رعایت مدِنظر رکھنا پڑتی تھی۔ ساقی کو قاسم کی بھی خصوصیت سے رعایت رکھنا پڑتی تھی کیونکہ اس کی "قسمت" کی پلیٹ قاسم کے ہاتھ میں ہوا کرتی تھی۔ قریباً ہر محفل میں دونوں "آنکھوں آنکھوں میں پیالی اور پلیٹ کے ایسے سودے کر لیتے تھے کہ قلندروں کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ اس راز کا افشا کرتے ہوئے ساقی کو یقین ہے کہ اگر وہ اہلِ محفل سے پوچھے کہ کیا وہ مجھے ساقی تسلیم نہیں کرتے تو ان کا جواب "بلیٰ" ہوگا۔ قلندروں کے انداز بڑے نرالے ہوتے ہیں۔ وہاں تو، یہ قاسم تھے سب کے ہر دلعزیز، عزیز الحسن۔ (جو اب مرحوم ہو چکے ہیں)۔

ایک عہدہ جو دیا نہیں گیا لیکن جس کا پورا پورا استحقاق پایا جاتا ہے "علی بخش" کا ہے۔ یہ ان خدامِ مجلس کو زیب دیتا ہے جن کے دماغ اقبالؒ کو نہ پا سکے، لیکن جن کے دل قلندروں کی طرح گرم اور ہاتھ قلندروں کی طرح سرگرم تھے۔ ابراہیم، خمیس، محمود "علی بخش" ہیں جو سفیر صاحب کے خدامِ خانہ تھے۔ وہ مجلس کے دن کا اتنی ہی بے تابی سے انتظار کرتے تھے جتنا کہ بڑا سے بڑا قلندر کر سکتا تھا۔ دوپہر کے بعد ان کا سارا کاروبار بند ہوتا تھا۔ وہ محبت آمیز انہماک سے چائے اور اس کے لوازمات تیار کرتے تھے۔ یہ ذہنی طور پر ہمارے شریک نہیں تھے لیکن روحانی طور پر ہم سے بالکل جدا نہیں تھے۔

مجلس کا معمول یہ تھا کہ پرویز صاحب اقبال ؒ کے اشعار پڑھتے جاتے اور ساتھ ساتھ ان کی تشریح بھی کرتے جاتے۔ یوں بھی ہوتا تھا کہ نئی کتاب یا نیا موضوع شروع کرنے سے پہلے ایک جامع تمہیدی تقریر ہوتی جس میں موضوع کا مبسوط بیان ہوتا۔ اقبال کا کلام اور پرویز صاحب کا بیان، محفل علمی اور وجدانی طور پر ایک نئی دنیا میں پہنچ جاتی۔ کراچی کی بے آب و گیاہ وادی میں مصری سفارت خانہ بمنزلہ نخلستان تھا۔ وہ نخلستان جہاں روح کی بالیدگی کے بے حساب سامان تھے۔ پرویز صاحب کے بیان کے بعد یوں تو بہت کم کسی سوال کی گنجائش رہ جاتی لیکن جب کبھی ان کے علم کے نخیلِ بلند تک کسی کا کوتاہ ہاتھ نہ پہنچتا وہ درخت خود جھک کر اس کے دامن کو بھرپور کر دیتا۔

ایسا بیان کوئی آدھے گھنٹے تک کے لئے ہوتا۔ اس کے بعد "علی بخش" محفل کا رنگ بدل دیتے۔ پھر محفل کا چارج ساقی کے سپرد ہوتا۔ اور شیخ ذرا سستا لیتے۔ قلندر مطالعۂ اقبالؒ میں مستغرق بحرِ قرآن کی غواصی کر رہا ہو تو کیا، اور چائے کی میز پہ مائل بہ تفریح ہو تو کیا۔ وہ ع۔

رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

ہوتا ہے، دونوں اس کی ذات کے شئون ہیں اور وہ دونوں میدانوں میں قلندر ہے۔ وقفۂ چائے میں لطافت و ظرافت کی مخصوص فضا پیدا ہوتی، وہ فضا جس کے تصور سے اب بھی روح میں شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد "شمع" پھر شیخِ قلندران کے سامنے پہنچ جاتی، پرویز صاحب ہمیں ان گزرگاہوں میں لے جاتے کہ ستارے بھی جن کی گردِ راہ بن جاتے اور فلک زمین معلوم دیتے۔ اس جذب و انہماک میں "سفیرِ اقبالؒ" زمین کے ہنگاموں

کو نہ بھولتے اور انہیں پتہ ہوتا کہ ترجمہ کرتے وقت انہیں کیا کیا دقتیں پیش آئیں گی۔ وہ ان دقتوں کو پیش کرتے اور پرویز صاحب ان کا حل کرتے۔ سفیرِ اقبالؒ کے متعلق غالباً یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ ایک زمانے سے اقبالؒ کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔ خود بلند پایہ ادیب اور شاعر ہیں۔ عربی تو ان کی مادری زبان ٹھہری۔ انگریزی، فرانسیسی، ترکی اور فارسی تک میں انہیں دستگاہ ہے۔ اس کے باوصف جب وہ پرویز صاحب سے ملے تو انہیں معلوم ہوا کہ جب علم دنکۂ قرآن کی بھٹی سے ہو کر نکلتے ہیں تو کیا بن جاتے ہیں۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ انہوں نے اب اقبالؒ کو سمجھا ہے۔ انہوں نے سمجھا ہی نہیں، وہ سمجھاتے بھی پھرتے ہیں۔ "سفیرِ اقبالؒ" کا لقب انہیں کو زیب دے سکتا ہے۔ اب تک وہ پیامِ مشرق، ضربِ کلیم، اور اسرار و رموز کا عربی ترجمہ کر چکے ہیں۔ پہلے دونوں ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ اور تیسرا پریس میں تھا کہ آپ کا تبادلہ ہو گیا۔ آپ نے ایک کتاب اقبالؒ کی سیرت، فلسفہ اور شاعری پر بھی لکھی ہے، آپ نے ضربِ کلیم کے ترجمے کا تعارف پرویز صاحب سے لکھوایا اور اپنے مقدمہ میں مجلسِ قلندران کا بڑی عقیدت سے ذکر کیا ہے۔ ؎۱

اس مجلس میں ضربِ کلیم، بالِ جبریل، ارمغانِ حجاز (حصہ اردو) جاوید نامہ، اسرار و رموز، پس چہ باید کرد، بانگِ درا، (چیدہ چیدہ) لفظاً لفظاً پڑھی گئیں۔ ہمیں اس کمی کا پورا احساس رہا کہ کوئی مختصر نویس مہیا نہ ہو سکا کہ جو ان مجالس کے نوٹ لے سکتا۔ یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ اقبالؒ سے متعلق اس سے پہلے کبھی اتنا کچھ اور اس طرح کہا یا سنا نہیں گیا۔ اگر یہ سب کچھ جمع ہو جاتا تو اقبالؒ پر کئی مجلدات تیار ہو جاتیں اور پھر شاید ایک عرصہ تک اس سے آگے بات نہ کی جا سکتی۔ لیکن بقولِ غالبؔ ؎

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

سفیرِ اقبالؒ نے دامن بھر بھر کے اس متاعِ فقیر کو دنیائے عرب میں لٹا دیا۔

قارئین یہ سن کر متعجب ہوں گے کہ مجلسِ قلندران ——— ایک "ختم" کی تقریب بھی منایا کرتی تھی۔ یہ تقریب ہر کتاب کے خاتمہ پر منائی جاتی تھی۔ جب کسی کتاب کا اس قدر حصہ باقی رہ جاتا جسے آئندہ نشست میں ختم ہو جانا ہوتا تو اس کتاب کی آخری مجلس معمول سے ذرا دیر میں یعنی مغرب کے لگ بھگ منعقد کی جاتی۔ سفیرِ اقبالؒ اپنی کتاب پر لکھتے کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت فلاں جگہ کتاب ختم کی گئی۔ پھر اس تحریر کے نیچے تمام قلندروں کے دستخط ہوتے۔ اس کے بعد سب مل کر کھانا کھاتے۔ اس دعوت میں ساقی اور ناسم کے امتیازات ختم کر دیئے جاتے، ہر کوئی اپنا ساقی ہوتا اور اپنا قاسم۔ تکمیلِ مرحلہ کی خوشی قلندروں کی پیشانیوں سے ہویدا ہوتی اور گفتگو میں لطافت اور شگفتگی بن کر ظاہر ہوتی۔ محفل کا یہ رنگ جاڑے کے لگ بھگ تو ہوتا مگر اس کا دوران زیادہ ہوتا۔

؎۱ اگرچہ یہ تعارف اور مقدمہ اس سے پہلے طلوعِ اسلام میں شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن ہم ڈاکٹر عزامؒ کی یاد میں انہیں کسی دوسرے وقت پھر قارئین کے سامنے لائیں گے۔ (طلوعِ اسلام)

اس مجلس کی آخری نشست ۱۱ دسمبر ۱۹۵۴ء کی شام کو منعقد ہوئی تھی۔ یہ نشست عاجلانہ طور پر طلب کی گئی کیونکہ کسی قرینے سے قلندروں کو یہ سوجھ گئی کہ سفیرِ اقبالؒ پاکستان سے رخصت ہو رہے ہیں تو ایک نشست کو "مستقل" کر کے محفوظ کر لیا جائے۔ قلندرانِ اقبالؒ، جو نقوش و کیفیات کو دل کی لوح پر لئے پھرتے تھے، اس کے قائل ہو گئے۔ آخری نشست کا سماں دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ سینوں میں تلاطم تھا۔ مگر چہرے سنجیدہ تھے۔ نہ گریاں نہ خنداں۔ فراق کی خلش ضرور تھی لیکن یہ اطمینان تھا:

نہ کر ذکرِ فراق و آشنائی — کہ اصلِ زندگی ہے خود نمائی
نہ دریا کا زیاں ہے نہ گہر کا — دلِ دریا سے گوہر کی جدائی

اس لئے کہ ہر ایک کی حالت یہ تھی ؎

کشادم چشم و بربستم لبِ خویش
سخن اندر طریقِ ما گناہیست!

ہمیں اطمینان تھا کہ ہمارا سفیرِ اقبالؒ اس محفل کو سونا کر جائے گا تو کیا، وہ جہاں جائے گا نئی محفلیں آباد کرے گا۔ جو اس ویرانی کا صلہ بن جائیں گی۔ یہ ضبط بھی درحقیقت پیامِ اقبالؒ اور تعلیمِ قرآن ہی کے صدقے میں تھا، ورنہ سینے میں تلاطم خیزیاں ساحل نا آشنا ہو رہی تھیں۔

یہاں تک تو ضبط نے ساتھ دیا۔ لیکن جب محفل شروع ہوئی تو اس کا نقشہ کچھ اور ہو گیا۔ اتفاق سے اس دن "پس چہ باید کرد" کا آخری باب زیرِ مطالعہ تھا، جس کا عنوان ہے "در حضورِ رسالتمآبؐ"۔ ایک طرف اقبالؒ حضورِ رسالتمآبؐ میں۔ آپ اندازہ لگائیے کہ اس کی کیفیت کیا ہو سکتی ہے؛ دوسری طرف شیخ قلندران اور سفیرِ اقبالؒ۔ دونوں کی حالت یہ ہے کہ حضور ختمی مرتبتؐ کی محبت میں ہمہ تن سوز۔ انہی کے سوز سے باقی قلندروں کے سینے بھی حرارتوں سے معمور۔ پوچھئے نہیں کہ مجلس پر کس قدر والہانہ کیفیت طاری تھی، یوں محسوس ہوتا تھا کہ آسمان سے نور کی بارش ہو رہی ہے۔ اس کا اہتمام کر لیا گیا تھا کہ جہاں اس آخری محفل سوز و ساز کے نقشے کو کیمرے کی لپیٹ میں محفوظ کر لیا جائے[1] وہاں اس کے الفاظ کو بھی ریکارڈ میں ضبط کر لیا جائے۔ چنانچہ ایسا کر لیا گیا۔ اب جس وقت اس محفل کی یاد سے قلندروں کے سینے میں ہوک سی اٹھتی ہے، وہ اسے اپنے لئے فردوسِ گوش بنا لیتے ہیں۔

یہ آخری محفل اس کیف بار و حیات آور وعدہ پر ختم ہوئی کہ اگلی کتاب (ارمغانِ حجاز) خود حریمِ کعبہ اور صحنِ مسجدِ نبویؐ میں بیٹھ کر پڑھی جائے گی۔ یہی وعدہ ہے جو اب قلندروں کی تمناؤں کا حسین مرکز بن رہا ہے۔ اور جس سے آنے والے دن، ان کی نگاہوں میں اس قدر تابناک ہو رہے ہیں۔ (خورشید ۔ ۱۹۵۵ء)

(٠)

تتمہ:۔ اس کے بعد سفیر صاحب (ہم انہیں ہمیشہ اسی لقب سے پکارا کرتے تھے) جدّہ تشریف لے گئے اور اپنے

---

[1] یہ تصویر طلوعِ اسلام بابت ۲۳ اپریل ۱۹۵۵ء کے ٹائیٹل پر شائع ہوئی تھی۔ (طلوعِ اسلام)

ہر خط میں اس وعدہ کو دہراتے رہے کہ جونہی حالات مساعد ہوئے وہ تمام "قلندروں" کو دعوت دیں گے اور "ارمغانِ حجاز" کا مطالعہ اور ختم، حریمِ کعبہ اور صحنِ مسجدِ نبوی ﷺ (علیہ التحیۃ والسلام) میں ہوگا۔ (اس دوران میں حالات ناسازگار سے رہے جن کے تذکرہ کی یہاں ضرورت نہیں)۔ دسمبر ۱۹۵۷ء میں، وہ انٹرنیشنل اسلامک کلوکیم (منعقدہ لاہور) میں تشریف لا رہے تھے۔ انہوں نے مجھے اس کی پہلے سے اطلاع دے دی اور تاکید سے لکھا کہ تم کلوکیم میں ضرور آنا تاکہ ملاقات کے لئے کافی وقت مل جائے۔ چنانچہ میں لاہور آگیا اور جس گرمجوشی سے وہ ملے اس سے میرے سینے میں ابھی تک حرارت کا احساس باقی ہے۔ انہی کے ایما سے کلوکیم کے دوران، دیال سنگھ کالج ہال میں، من و یزداں کے عنوان پر میری تقریر ہوئی جس کی انہوں نے صدارت فرمائی۔ پھر یہیں یہ بھی طے ہوگیا کہ وہ کلوکیم کے بعد، کراچی پہنچ کر ایک شام مختص کرنا چاہتے ہیں تاکہ ایک بار پھر مجلسِ قلندران کا انعقاد ہو جائے۔ ۹ جنوری ۱۹۵۸ء کی شام (سفارت خانے کی بجائے میرے کاشانے میں) اس مجلس کا انعقاد ہوا اور زمانے کی طنابیں چار سال پیچھے کو کھنچ گئیں۔ نہ معلوم ان کے دل میں کیا خیال آیا کہ انہوں نے خاص طور پر کہا کہ اس مجلس کا ریکارڈ بھی ٹیپ پر محفوظ کر لینا۔ چنانچہ ایسا کر لیا گیا۔ رخصت کے وقت انہوں نے تمام قلندروں سے بچشمِ نم کہا کہ اب "حریمِ کعبہ" میں ملاقات ہوگی۔

کیا معلوم تھا کہ یہ ملاقات حریمِ جنت پر ملتوی ہو جائیگی جنوری ۱۹۵۹ء میں حرکتِ قلب بند ہو جانے سے حجاز میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس قیامت خیز المیہ پر پرویز صاحب نے حسبِ ذیل تعزیت نامہ خون کے آنسوؤں سے لکھا جو طلوعِ اسلام بابت فروری ۱۹۵۹ء سے شائع ہوا۔

"جمعہ ۲۳ جنوری کی صبح اچانک اطلاع ملی کہ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کا حرکتِ قلب بند ہو جانے سے (الریاض میں) انتقال ہو گیا ہے۔ یہ خبر اس قدر غیر متوقع اور یہ سانحہ ایسا ہوش رُبا تھا کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ یوں محسوس ہوا کہ ڈاکٹر عزام کی حرکتِ قلب بند نہیں ہوئی علم و عشق کی محفلوں کے چراغ گل ہو گئے۔ اس حادثہ جانکاہ سے عالمِ اسلامی کو کس قدر ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے اس کا اندازہ دوسرے بھی کر سکتے ہیں لیکن اس سے میرے دل پر کیا گذری ہے اس کا اندازہ میں ہی لگا سکتا ہوں۔ میری آنکھیں ہنوز علامہ اسلم جیراجپوری جیسے غمگسار رفیق اور شفیق بزرگ کی یاد میں شبنم افشانیوں سے آسودہ نہیں ہوئی تھیں کہ ڈاکٹر عزام جیسے غمخوار دوست اور جاں نواز ہمسفر کی جدائی وجہِ اختر شماری بن گئی۔

مرحوم کو اقبال اور قرآن سے عشق تھا اور ان کا یہی عشق ہمارے رابطہ کی بنیاد بنا۔ ہم جوں جوں ایک دوسرے کے قریب ہوتے گئے قلب و نظر کی ہم آہنگی بڑھتی چلی گئی تاآنکہ یہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آگئی کہ ہمارے راستے بھی ایک ہیں اور منزل بھی ایک۔ اس رفاقت سے میرا سفر خیاباں خیاباں چمن ہو گیا۔ — آج میں اس راہ گذر میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہوں — بالکل تنہا۔

میں نے اپنے مرحوم دوست کو بہت قریب سے دیکھا۔ عربی ادب و لغت میں ان کی ژرف نگہی ایک الگ داستان ہے لیکن ایک انسان اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کا جو مقام تھا مجھے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان کا قلب عبارت تھا قرآن کے عشق، اسلام کی محبت اور ملت کے لیے پایاں درد سے۔ نگاہ کی بلندی، ظرف کی وسعت، دل کی کشادگی، سیرت کی پاکیزگی، کردار کی پختگی، فکر کی رفعت، جذبات کی گہرائی۔ ذوق کی لطافت اور شوق کی وارفتگی میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ وہ پیکرِ اخلاص و محبت۔ وہ عشق و زیرکی کا حسین امتزاج۔ وہ دین و دانش کا پاکیزہ عصارہ۔ وہ دنیائے علم و فضیلت کا امام۔ وہ جہانِ تپش و تلاش کا شعلۂ بیباک وہ مدافعِ زندگی میں شمشیرِ عریاں وہ شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں۔ ہم میں نہ رہا۔ اس کے جانے سے علم کی بستیاں اجڑ گئیں عشق کی محفلیں سنسان ہو گئیں۔

سلام! اے "نور و نکہت کی داستانِ خموش" —— تجھ پہ ہزار دل سلام!!

عمرہا چرخ بگردد کہ جگر سوختہ
چوں تو از دودۂ آتش نفساں می خیزد

جگر فگار —— پرویز (فروری ۱۹۵۹ء)

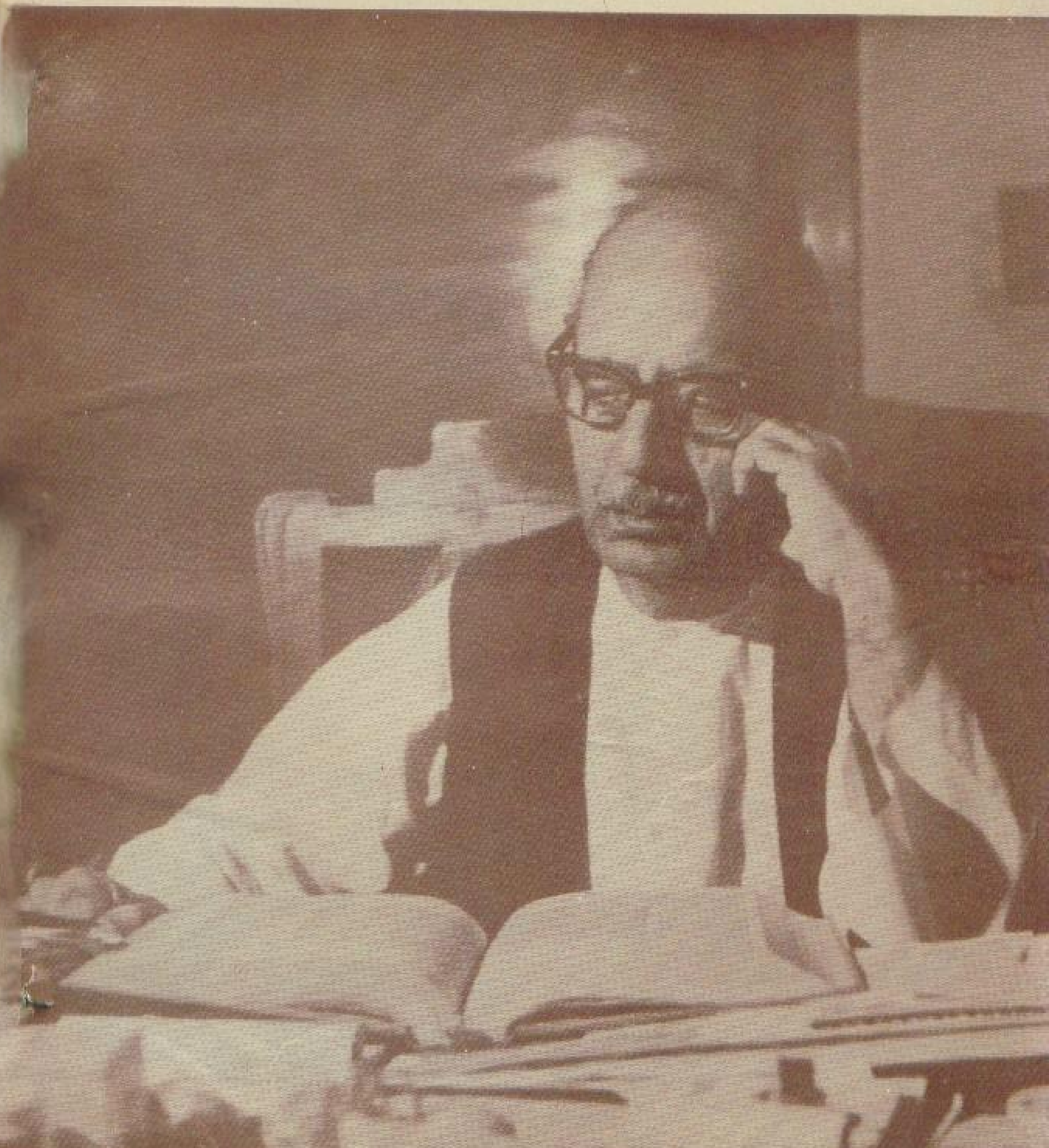

قطعۂ تاریخ سنِ وفاتِ حسرت آیات

عالمِ دین مفکرِ و مفسرِ قرآن حضرت جناب چودھری غلام احمد پرویز نور اللہ مرقدہٗ

عمرش بفکرِ دانشِ قرآن گرفت عشق
ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

سنِ وفات پرویز بحذفِ الف بگو
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ او

۱۹۸۵ء

منجانب احقر
(حکیم سعید احمد پھلوری)

Monthly TOLU-E-ISLAM Lahore

No. 4 | APRIL 1985 | Vol 38

سفرِ آخرت

نمازِ جنازہ